حیاتِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بصیرت افروز اسفار
عکسِ سیرت
پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیارے سفر
منصور احمد بٹ
(تمغۂ حسنِ کمال و تمغۂ صدارت)
زاویہ پبلشرز
دربار مارکیٹ ۰ لاہور

حیاتِ پاک ﷺ کے بصیرت افروز اسفار

منصور احمد بٹ
(تمغۂ حُسنِ کمال و تمغۂ صدارت)

8-C دربار مارکیٹ۔ لاہور
Ph: 042-37248657- 37112954
Mob: 0300-9467047- 0321-9467047- 03004505466
Email:zaviapublishers@gmail.com

2014ء

باراول.................................1100

ہدیہ.................................300

ناشر.................................نجابت علی تارڑ

﴿لیگل ایڈوائزرز﴾

محمد کامران حسن بھٹہ ایڈووکیٹ ہائی کورٹ (لاہور) 0300-8800339

رائے صلاح الدین کھرل ایڈووکیٹ ہائی کورٹ (لاہور) 0300-7842176

﴿ملنے کے پتے﴾

زاویہ پبلشرز

شوروم

ظہیر ہوٹل، دوکان نمبر 2، داتا دربار مارکیٹ، لاہور

042-37248657

مکتبہ برکات المدینہ، کراچی	021-34219324
مکتبہ رضویہ آرام باغ، کراچی	021-32216464
اسلامک بک کارپوریشن، کمیٹی چوک، راولپنڈی	051-5536111
اشرف بک ایجنسی، کمیٹی چوک، راولپنڈی	051-5551519
مکتبہ قاسمیہ برکاتیہ، حیدر آباد	022-2780547
مکتبہ متینویہ، پرانی سبزی منڈی روڈ، بھاول پور	0301-7728754
نورانی ورائٹی ہاؤس، بلاک نمبر 4، ڈیرہ غازی خان	0321-7387299
مکتبہ بابا فرید چوک چٹی قبر پاکپتن شریف	0301-7241723
مکتبہ غوثیہ عطاریہ اوکاڑہ	0321-7083119
اقرا بک سیلرز، فیصل آباد	041-2626250
مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد	041-2631204
مکتبہ العطاریہ لنک روڈ صادق آباد	0333-7413467
مکتبہ سخی سلطان حیدر آباد	0321-3025510

سلمان الخیر
حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ
کے نام
جو حق کی تلاش میں نگر نگر پھرے
اور سفر کرتے ہوئے دامانِ رسول ﷺ
میں پناہ لی، اور اپنی عاقبت کی راہیں سنوار لیں

اوراقِ رہنما

حرفِ محبت

رسول اللہ ﷺ نے اپنے آخری سفر حجۃ الوداع میں عرفہ کی شام کو میدانِ عرفات میں یہ دعا پڑھی:

"اے اللہ! تو میری بات سنتا ہے، اور میں جہاں اور جس حال میں ہوں تو اس کو دیکھتا ہے، اور میرے ظاہر و باطن سے تو باخبر ہے، تجھ سے میری کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں۔ میں دکھی ہوں، محتاج ہوں، فریادی ہوں، پناہ جو ہوں، ترساں ہوں، ہراساں اپنے گناہوں کا اقراری ہوں، تجھ سے سوال کرتا ہوں جیسے کوئی عاجز مسکین سوال کرتا ہے، تیرے آگے گڑگڑاتا ہے، جیسے گناہگار ذلیل و خوار گڑگڑاتا ہے، اور تجھ سے دعا کرتا ہوں، جیسے کوئی خوف زدہ، آفت رسیدہ دعا کرتا ہے، اور اس بندے کی طرح مانگتا ہوں، جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہوئی ہو، اور تن بدن سے وہ تیرے آگے فروتنی کیے ہو، اور اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہو۔

اے اللہ! تو مجھے اس دعا مانگنے میں ناکام اور

نامراد نہ رکھ۔

اے ان سب سے بہتر و برتر! جس سے مانگنے والے مانگتے ہیں،

اور اے ان سب سے بہتر و برتر! جو مانگنے والوں کو دیتے ہیں، میرے حق میں بڑا مہربان اور نہایت رحیم ہو جا۔" (الطبرانی فی الکبیر)

یہ وہ دعا ہے جو اللہ کے آخری رسول ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ کے آخری سفر میں اپنے آخری جامع خطبہ میں ارشاد فرمائی۔ یہ خطبہ بنی نوع انسان کے لیے تا قیامت مشعلِ راہ رہے گا۔

اللہ رب العزت کا ہزارہا شکر اور اس کے محبوب ﷺ پر کروڑوں درود و سلام۔ اللہ رب العزت کا احسان عظیم ہے کہ اس نے ہمیں اپنے پیارے محبوب ﷺ کے غلاموں کی قطار میں لا کھڑا کیا۔ اس پر اس ذات کریم کا جس قدر شکر ادا کیا جائے، کم ہے۔ اب غلاموں کی اس قطار میں ہم کہاں ہیں۔ ہمارا کیا مقام ہے۔ یہ تو اللہ رب العزت ہی جانتے ہیں۔ ہمارے لیے تو یہی بہت ہے کہ ہم اس کے پیارے محبوب ﷺ کے ادنیٰ سے ادنیٰ غلاموں میں شمار کیے جاتے ہیں۔

اللہ رب العزت سے یہی دعا ہے کہ غلامی کا یہ طوق تا دمِ مرگ ہمارے گلے کی زینت بنا رہے، اور ہم اس کے پیارے محبوب ﷺ کی غلامی میں ہمہ وقت سرشار اور شاداں و فرحاں رہیں۔ اس کے امتی ہونے کا حق ادا کریں، آقائے دوجہاں ﷺ کے

ارادت مندوں میں ہمیشہ ہمارا شمار رہے، ہمارے لیے اس سے بڑا اعزاز اور کیا ہو سکتا ہے۔

کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے حالتِ ایمان میں اللہ کے آخری رسول ﷺ کا دیدار کیا۔ ان ﷺ کے رُخِ انور کی ضوفشانیوں سے اپنے دلوں کو منور کیا۔ خیر و برکات کی دولت سمیٹی اور دونوں ہاتھوں سے سمیٹی، اور کتنے بدبخت ہیں وہ جنہوں نے آپ ﷺ کے رُخِ انور کو دیکھا، مگر پھر بھی آپ ﷺ کی تکذیب کی، آپ ﷺ پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی۔ آپ ﷺ کو ہجرت پر مجبور کیا۔ دائرہ زیست آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم پر تنگ کر دیا۔

اللہ رب العزت کا ہزارہا شکر کہ اس نے ہمیں یہ سعادت بخشی کہ ہمارے دل اس ذات بابرکات کی محبت سے آباد کیے۔ ہمارے دلوں میں ان ﷺ کی محبت کا بیج بو دیا۔ جو بالآخر تناور درخت کی شکل اختیار کرتا چلا گیا۔

اللہ رب العزت اس محبت کو دائم و آباد رکھے۔ (آمین)

زیرِ مطالعہ کتاب عقیدتِ سیرت کی ایک اور کڑی ہے۔ اس کتاب کے اوراق میں رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کے وہ سفر درج ہیں۔ جو آپ ﷺ نے اس دنیا میں آنے کے بعد اور دنیا سے پردہ فرما جانے سے پہلے کیے۔ یہ مختصر حیات رسول اللہ ﷺ کی مختصر مگر جامع تاریخ بھی ہے۔ امید ہے کہ آپ کو یہ

کتاب بھی گذشتہ کتب کی طرح پسند آئے گی۔ اللہ رب العزت میری اس کاوش و محنت کو منظور و مقبول فرمائے اور مجھے یہ سفر جاری رکھنے کی ہمت و سعادت بخشے۔ آمین!

آخر میں ڈاکٹر علی اصغر چوہدری صاحب کا بھی مشکور و ممنون ہوں کہ ان کی تحریروں سے بھی میں نے کماحقہ استفادہ کیا۔ اللہ رب العزت انہیں جزائے خیر دے۔ آمین!

منصور احمد بٹ
0300-9427827
0321-4883686

بچپن کا پہلا سفر

عام الفیل جوکہ نبی مکرم ﷺ کی ولادت کا سال بھی ہے، اس میں قحط وخشک سالی کی سی کیفیت تھی۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا اپنے قبیلے کی دس عورتوں کے ساتھ بچوں کی تلاش میں مکہ مکرمہ آئیں۔

عرب کے شہری باشندوں کا یہ رواج تھا کہ وہ اپنے بچوں کو شہری امراض سے دور رکھنے کے لیے اور ان کی زبان میں فصاحت و بلاغت پیدا کرنے کے لیے دودھ پلانے والی بدوی عورتوں کے حوالے کر دیا کرتے تھے، تا کہ ان کے جسم طاقتور اور اعصاب مضبوط ہوں۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا ان کے شوہر حارث بن عبد العزیٰ، شیر خوار بچہ عبداللہ اور ایک سبزی مائل رنگ والی کمزور سی دراز گوش (خچر) اور ایک بوڑھی اونٹنی جس کی کھیری میں دودھ کا ایک قطرہ تک نہ تھا، روانہ ہوئے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی چھاتیوں میں دودھ ناکافی تھا۔ اس لیے بچہ بے چین رہتا تھا۔ اس کے رونے کے سبب میاں بیوی رات کو آرام نہ کر سکتے تھے۔

دراز گوش بھوک کے مارے مشکل سے قدم اٹھاتی تھی، جس کی وجہ سے سارا قافلہ مصیبت میں تھا۔ نہ قافلے والے چھوڑ کر آگے جا سکتے تھے، اور نہ یہ لاغر دراز گوش چلنے کا نام لیتی تھی۔ بڑی مشکل سے مکہ پہنچے۔ سب نے بچے تلاش کرنے کے لیے گھر گھر چکر لگانے شروع کیے۔ بنی سعد کی عورتیں حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے نونہال کے پاس بھی گئیں۔ جب انہیں پتہ چلتا کہ یہ یتیم ہے۔ اس کا باپ تو ہے نہیں جو ہماری خدمات پر

انعام واکرام سے مالا مال کر دے گا۔ بیوہ ماں اور بوڑھا دادا ہماری کیا خدمت کرے گا۔

حالانکہ سردار عبدالمطلب کوئی معمولی حیثیت کے انسان نہ تھے، مگر اس کے باوجود کسی عورت نے اس درِ یتیم ﷺ کو گود نہ لیا۔

چند دنوں میں ہر عورت کو بچہ مل گیا۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی غربت وتنگ دستی اور خستہ حالی آڑے آئی اور انہیں کسی نے بچہ نہ دیا۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر سے کہا:

''میں اس یتیم بچے (ﷺ) کو لے آتی ہوں میں خالی گود واپس نہ جاؤں گی۔''

دوسرے دن حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا سردار عبدالمطلب کے پاس آئیں اور بولیں:

''میرا نام حلیمہ سعدیہ ہے۔ میں بنو سعد سے ہوں۔ ہمارا قبیلہ حجاز کی سرحدوں کو عبور کر کے کبھی باہر نہیں گیا۔ ہماری زبانوں پر گونگوں کا اثر نہیں ہوا، اور نہ ہی ہماری ہواؤں پر شہر کی گندگی اور غلاظت کا اثر ہے، بچوں کے ساتھ ہماری بہت شفقت قریش بھر میں مشہور ہے، اور ہم بنو سعد والیاں جانتی ہیں کہ روتے بچوں کو کس طرح ہنسایا جاتا ہے، اور کمزور جسم والوں کو کن ترکیبوں سے توانا اور مضبوط کیا جاتا ہے۔''

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے یہ سب کچھ خالص کاروباری انداز میں کہا تھا، اور حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہا ان باتوں سے بے خبر نہ تھیں، ان کی سماعت ان الفاظ کو سننے کے لیے مدت سے بے قرار ہو رہی تھی۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرش پر بچھی ہوئی ایک چٹائی پر مؤدب بیٹھ گئیں۔ برکہ بنت ثعلبہ (ام ایمن) رضی اللہ عنہا منتظر کھڑی تھیں۔

حضرت حلیمہ آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہا نے کہا:

"محمد (ﷺ) کے گھر آج پہلا مہمان آیا ہے برکہ اس کی کیا خاطر ہو گی۔ جاؤ اور گھر میں جو کچھ ہے مہمان کے لیے لے آؤ۔"

برکہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا دروازے کی طرف پلٹی۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے پیشے کی حسین ترین مسکراہٹ اپنے ہونٹوں پر سجائی اور کہا:

"سرداروں کے گھر میں کس چیز کی کمی ہے۔ محمد (ﷺ) عرب کے شریف ترین گھرانے میں تشریف لائے ہیں۔ شریف ابن شریف ابن شریف ابن شریف۔ سردار قصی سے لے کر سردار عبدالمطلب تک اس گھرانے کا ہر فرد عرب کا روشن ترین ستارہ ہے۔"

حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہا نے کہا:

"یہ ٹھیک ہے بچے کی شرافت و نجابت میں کوئی شبہ نہیں، لیکن شاید تم نے سن لیا ہو، محمد (ﷺ) یتیم پیدا ہوئے ہیں۔"

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے ایک ہی سانس میں تمام بات کہہ سنائی:

"میں سن چکی ہوں۔ شہر بھر میں اس کا شہرہ ہے کہ محمد (ﷺ) یتیم پیدا ہوئے ہیں، لیکن ان کے دادا قریش کے سربراہ ہیں۔ ان کے چچا مکہ کے متمول ترین رئیس ہیں، اور میں نے لونڈی کی خبر بھی سن لی ہے جو ننھے حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی میں آزاد کی گئی تھی۔"

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

"تم نے غلط نہیں سنا، سردار عبدالمطلب کو اپنے یتیم پوتے سے

بڑی محبت ہے۔ ان کے چچا حارث نے بھی میری دلجوئی میں
کوئی کسر نہیں چھوڑی سب ہی مہربان اور شفیق ہیں، سب نے میرا
غم بانٹ لینا چاہا ہے، لیکن سعدیہ، میں چاہتی ہوں میرا بچہ اپنی
زندگی کا پہلا قدم صرف اپنے باپ کے سہارے پر اٹھائے، اور
اس کا باپ اس دنیا میں موجود نہیں۔"

اتنے میں برکہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا ایک بڑا طبق لیے دروازے پر ظاہر ہوئیں۔
حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہا نے مسکرا کر برکہ رضی اللہ عنہا کی طرف دیکھا، پھر وہ
حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا سے گویا ہوئیں:

"کچھ کھالو سعدیہ۔"

طبق میں کیا کچھ نہ تھا بھنا ہوا گوشت جو گھی میں بھونا گیا اور جس کے بہترین
مسالوں کی خوشبو پورے کمرے کو محیط ہوگئی۔ شوربا، خمیری روٹیاں، کھجوریں، انگور اور
آلو بچے، اتنا کچھ تھا کہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی بھوک چمک اٹھی۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا نے پہلا لقمہ توڑا، پھر دوسرا اور پھر تیسرا، لذیذ کھانے ان
کے حلق میں اٹکنے لگے، بھوکی شیما اور انیسہ کی صورتیں ان کی آنکھوں تلے پھرنے
لگیں۔ کھانے کی طرف بڑھتے ہوئے ہاتھ رک گئے۔ وہ سوچنے لگیں:

"میں کھا رہی ہوں اور میری بچیاں، انیسہ اور شیما......"

اس لمحے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا:

"سعدیہ تمہارے کتنے بچے ہیں؟"

"تین بچے، دو بیٹیاں اور ایک بیٹا، بڑی بیٹی کا نام شیما ہے اور
چھوٹی کا نام انیسہ اور بیٹے کا نام عبداللہ۔"

"اور تمہارے خاوند وہ بھی تو آئے ہوں گے۔"

حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہا نے پوچھا:

"جی ہاں! حارث بن عبدالعزیٰ، وہ بھی میرے ساتھ آئے ہیں۔"

یہ سن کر حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہا نے برکہ رضی اللہ عنہا سے کہا:

"برکہ یہ سب ننھے محمد (ﷺ) کے مہمان ہیں۔ مہمان نوازی ہاشمیوں کے شایان شان ہونی چاہیے۔"

یہ سنتے ہی حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے چہرے پر اطمینان طاری ہو گیا۔ اب ان کی بچیاں بھی بھوکی نہیں رہیں گی، اور حارث، وہ بھی خوب سیر ہو کر سوئیں گے، یہ سوچ کر حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

پکوان کی دو بڑی بڑی سینیاں غلاموں کے سروں پر رکھی ہوئی تھیں۔ برکہ رضی اللہ عنہا نے کپڑوں کی سینی اٹھا رکھی تھی، اور ان دونوں کے آگے آگے بڑی تمکنت و فخر سے چل رہی تھیں۔ برکہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا سے آگے حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا تھیں، جن کی دونوں بانہوں میں ننھے محمد ﷺ لیٹے ہوئے تھے۔

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی خوش قسمتی کو دیکھ کر اکثر قبیلے والیوں نے اپنی انگلیاں دانتوں تلے داب لیں۔ وہ محمد ﷺ کو اس لیے چھوڑ آئی تھیں کہ وہ یتیم تھے، اور انہیں ان کے ہاں سے زیادہ کچھ ملنے کی امید نہ تھی، مگر یہاں تو معاملہ اس کے برعکس تھا۔ انہوں نے کتنا غلط سمجھ لیا تھا، حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے تو تمام دلدر دور ہو گئے تھے۔

سردار عبدالمطلب نے اپنے پوتے کی آیا حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کو بہت کچھ دیا۔ پھر ان کے چچا حضرت حارث نے اپنی طرف سے درہم دیے۔

حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہا نے اپنے پاس رکھے ہوئے بہترین جوڑے حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کو بخش دیے، یہاں تک کہ اپنی انگلی کی انگوٹھی بھی دے ڈالی۔ دادو

دہش کی اس فراوانی نے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کو چکرا کر رکھ دیا تھا۔

کیا یہ وہی سواری ہے؟

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے ننھے حضور ﷺ کو اپنے درازگوش خچر پر سوار کرلیا، درازگوش نے پہلے کعبہ کی طرف منہ کر کے تین سجدے کیے اور سر آسمان کی طرف اٹھایا۔ اس طرح گویا اس خدمت کا شکریہ ادا کیا جو اس سے لی جارہی تھی۔ اب تو اس کی حالت ہی بدل گئی، یوں تیز قدم اٹھاتی تھی گویا چل نہیں رہی تھی بلکہ اڑ رہی تھی۔

قافلے والیاں کہنے لگیں:

''اے ابوذویب کی بیٹی! ہم پر رحم کر اپنی درازگوش کو آہستہ آہستہ چلا۔''

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی درازگوش ننھے حضور ﷺ کے سوار ہونے کی برکت سے ایسی چست و چالاک بن گئی کہ تمام جانوروں سے آگے چل رہی تھی، حالانکہ پہلے کمزوری و لاغری کی وجہ سے سب سے پیچھے رہ جاتی تھی۔

ساتھ کی عورتیں حیران ہو کر پوچھتی تھیں:

''اے ابوذویب کی بیٹی! کیا یہ وہی سواری ہے؟''

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا جواب دیتیں:

''واللہ! سواری تو وہی ہے، سوار بدل گیا ہے۔''

یہ ننھے محمد ﷺ کا پہلا سفر تھا جو انہوں نے مکہ سے بنوسعد کی طرف کیا۔

بنوسعد کے قبیلہ میں سخت قحط و خشک سالی تھی، مگر ننھے حضور ﷺ کی برکت سے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے مویشی سیر ہو کر لوٹتے اور خوب دودھ دیتے۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

''جب ہم ننھے حضور ﷺ کو لے کر اپنی آبادی میں پہنچے تو تمام

آبادی خوشبو سے مہک گئی، جیسے عنبر و مشک کی خوشبو ہے۔
آپ ﷺ سے محبت و عقیدت ہر آدمی کے دل میں موجزن ہوگئی،
اور سب ننھے حضور ﷺ سے پیار کرتے تھے، جب کسی کو کوئی تکلیف
ہوتی تو وہ آپ ﷺ کا دست مبارک اس جگہ مس کرتا، اور اللہ کے
حکم سے شفا یاب ہوتا، یہاں تک کہ اپنے مویشیوں اور جانوروں
کا علاج بھی آپ ﷺ کے دست مبارک سے کرتے تھے۔"

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:
"جب میں اس دولت سرمدی کو اٹھائے ہوئے اپنے خیمہ میں
واپس آئی تو میں نے ننھے محمد ﷺ کو دودھ پلایا۔ ننھے حضور ﷺ
کے دودھ پینے کی برکت سے چھاتیاں دودھ سے لبالب بھر
گئیں۔ دائیں چھاتی سے ننھے حضور ﷺ نے دودھ پیا اور
بائیں چھوڑ دی، جس سے میرے بیٹے عبداللہ نے دودھ پیا۔
اس کے بعد بھی ایسا ہی ہوتا رہا۔"

بچوں کو سلانے کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے خاوند حارث بن عبدالعزیٰ
بوڑھی اور لاغر اونٹنی کی طرف گئے۔ یہ دیکھ کر حیرت وخوشی کی انتہا نہ رہی کہ اونٹنی کی کھیری
دودھ سے بھری ہوئی ہے۔ بکریوں کی کھیریاں بھی دودھ سے لبالب تھیں۔

حارث بن عبدالعزیٰ اور حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے لیے یہ نظارہ ناقابل یقین تھا، وہ
بکری جواب سے چند گھنٹے پہلے ایک بوند دودھ دینے کے قابل نہ تھی، کسی معجزہ کے زیر
اثر یکا یک ایسی سیراب ہوگئی کہ اس کے تھنوں سے سفید خوشبودار دودھ کی نہر سی بہنے لگی
تھی۔ برتن لبالب بھر گیا تھا، اور اس پر موٹی سفید آہستہ سرسراتی ہوئی جھاگ کناروں

سے باہر چھلکی پڑتی تھی۔

دونوں میاں بیوی نے خوب سیر ہو کر دودھ پیا اور رات بڑی راحت و آرام سے گزاری۔ جتنے اور شیر دار جانور تھے ان سب کی کھیریاں بھی دودھ سے بھر گئی تھیں۔

❁

جب آپ ﷺ قبیلہ بنی سعد میں تشریف لائے تو برکات نازل ہونے لگیں قحط دور ہو گیا۔ چراگاہیں ہری بھری ہو گئیں، نخلستان بار آور ہو گئے۔ قبیلہ بنی سعد دیکھتے ہی دیکھتے خوشحال ہو گیا۔ قبیلہ والے جان گئے کہ برکات کا اصل منبع وہ مقدس بچہ ہے جو حلیمہ کی گود میں ہے۔ قبیلہ کے لوگ آپ ﷺ کی زیارت کو آنے لگے، ان میں عورتیں، مرد، بوڑھے، جوان اور بچے سب ہی شامل تھے۔ کوئی ننھے محمد ﷺ کی پیشانی چومتا، کوئی مبارک ہاتھوں کو بوسہ دیتا، کوئی آپ ﷺ کے ننھے منے پاؤں چومتا تھا، اللہ رب العزت نے ان کے دلوں میں آپ ﷺ کی محبت ڈال دی تھی۔

❁

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی خوش قسمتی سرِ شام اور شام سے صبح تک بنو سعد کے پورے ڈیرے کا موضوع بحث بنی رہی۔ ننھے محمد ﷺ کے دادا، چچا اور والدہ نے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کو اتنا کچھ دے دیا تھا کہ قبیلے کی تمام عورتیں حیران رہ گئی تھیں، لیکن سب سے زیادہ حیرت انگیز بات بکریوں کا بے اندازہ دودھ تھا جو ان کی کھیریوں میں فراوانی کے ساتھ بہہ رہا تھا۔

پہلے تو سب یہی سمجھے کہ یہ کسی جڑی بوٹی کا کرشمہ ہے جو حارث بن عبدالعزیٰ کے ہاتھ لگ گئی ہے، جسے کھا کر بکریاں اس طرح دودھ دینے لگی ہیں، مگر یہ بات بھی محض خام خیال ہی ثابت ہوئی۔

یہ قبیلہ تین دن تک وہیں رکا رہا۔ پھر تیسرے دن یہ قبیلہ بنو سعد کے صحراؤں

کی طرف کوچ کرنے کی تیاریاں کرنے لگا۔

برکہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے حد محبت تھی، وہ ہر روز حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہا سے اجازت لے کر آتیں، اور ننھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھنٹوں گود میں لیے کھلایا کرتی تھیں۔

آج ننھے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو سعد کی طرف کوچ فرمانے والے تھے۔

برکہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا آج بھی تحائف لے کر آئی تھیں۔

سردار عبدالمطلب، حارث اور ابو طالب ننھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو الوداع کہنے کے لیے صحرانشینوں کے خیموں میں پہنچ چکے تھے۔

خیمے لد رہے تھے۔ شمعیں جل رہی تھیں، اور پھر قافلہ چل پڑا۔

ہدی خوانوں کی مانوس آوازیں سنائی دینے لگیں، پھر قافلہ بوقبیس کے دوسری طرف اتر گیا۔ مکہ سے بادیہ بنو سعد کو جانے والا راستہ خاصا طویل اور صبر آزما تھا۔ لٹکی ہوئی بھربھری چٹانیں قدم قدم پر آتی تھیں۔ جن سے بچ کر جانے کے لیے طویل چکر کاٹنے پڑتے تھے۔ اس کے علاوہ راستے میں جتنے کنوئیں اور باغات تھے وہ سب یہودیوں کی ملکیت تھے۔ جنہیں قریش اور قریش کے حلیف قبائل سے خداواسطے کا بیر تھا، ان یہودیوں سے کسی قسم کی امداد یا پناہ کا ملنا ناممکن تھا۔ اس لیے قبیلے کو ان باغات سے ہٹ کر اپنے خیمے نصب کرنا پڑے، اور اس بات کا بھی خاص خیال رکھا جاتا کہ کوئی بکری یا دراز گوش ان باغات میں نہ جا گھسے۔ ورنہ عام رسم کے مطابق دوسرے کے باغ میں چرنے والی بکری یا دراز گوش باغ کے مالک کی ملکیت بن جاتے۔

بنو سعد کا قافلہ تین دن کی مسافت کے بعد صبح صادق کے وقت ایک بلند ٹیلے پر کھڑا تھا، جسے بنو سعد کا ٹیلہ کہا جاتا تھا۔

ٹیلے کے نیچے دور دور تک پھیلے ہوئے ریگستان کے درمیان کھجوروں کا ایک

چھوٹا سا باغ تھا۔ باغ کے کنارے کنارے ہلالی شکل میں خیموں کی قطاریں تھیں۔
ہدی خوان ساری رات صحرا کو اپنی زمزمہ باری سے جگاتے آئے تھے۔ ٹیلے
پر پہنچ کر ہدی خوانوں کا نغمہ بدل گیا۔

اس سفر میں کوئی ایسا اہم واقعہ نہیں ہوا تھا۔ جسے بنو سعد والے اپنے خیموں
میں بیٹھ کر سناتے لیکن اس کے باوجود مکہ سے آنے والوں نے اپنے خیموں میں سنسنی
پھیلا دی تھی۔ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا اور حارث بن عبدالعزیٰ کی خوش قسمتی کا عام چرچا ہو رہا تھا۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

"حضور ﷺ کی نشو و نما اتنی تیزی سے ہوئی تھی کہ دوسرے لڑکے
اتنے نہیں بڑھتے تھے۔"

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا مزید فرماتی ہیں:

"جب ننھے حضور ﷺ کی عمر مبارک آٹھ ماہ ہوئی تو آپ ﷺ
نے گفتگو فرمائی۔ جب نو ماہ کے ہوئے تو فصیح گفتگو فرمائی، اور جب
دس ماہ کے ہوئے تو بچوں کے ساتھ تیر اندازی بھی فرمائی۔"

جب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کو لے کر اپنے علاقہ میں پہنچیں تو
حضور ﷺ کی برکت سے سوکھے پودوں اور مرجھائی ہوئی ڈالیوں میں ایکا ایکی جان سی
پڑ گئی۔ خشک کھیتیاں لہلہانے لگیں، جیسے کسی نے ان پر آبِ حیات چھڑک دیا ہو۔
نہ صرف سارا علاقہ سرسبز و شاداب ہو گیا، بلکہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ
اور بکریاں بھی زیادہ ہو گئیں، اور تمام مکان میں مشک کی خوشبو پھیل گئی، اور حضور ﷺ
کے لیے لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے محبت ڈال دی۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ
بنی سعد کے لوگوں میں سے کسی کے جسم پر کوئی بیماری پیدا ہوتی تو وہ شخص آپ ﷺ کا

دست مبارک اپنی بیماری کی جگہ پر رکھتا اور اسے فوراً شفا ہو جاتی، نہ صرف انسان بلکہ کوئی اونٹ یا بکری بیمار ہو جاتی تو آپ ﷺ کے دست مبارک سے اسے بھی شفا ہو جاتی۔

❁

حضور ﷺ کو دودھ پلانے اور پرورش کرنے کے لیے حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہا نے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے حوالے کیا تو انہیں حضور ﷺ کے متعلق تمام باتیں بتائیں، کچھ دن بعد حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے چند یہودیوں کا گزر ہوا تو حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے ان کو وہ تمام باتیں بتائیں جو حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہا نے بتائی تھیں۔

یہ سن کر وہ یہودی ایک دوسرے سے کہنے لگے:

"اسے قتل کر دو۔"

پھر ان یہودیوں نے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا:

"کیا یہ یتیم ہیں؟"

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا بولیں:

"نہیں، یہ ان کے باپ ہیں اور میں ان کی ماں ہوں۔"

یہودیوں نے کہا:

"اگر یہ یتیم ہوتا تو ہم اسے ضرور قتل کر دیتے۔"

❁❁❁

سوق ذوالمجاز کا سفر

امام ابن اسحاق اپنی مغازی میں روایت کرتے ہیں وہ اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں:

ابوطالب نے فرمایا:

''میں سوق ذوالمجاز میں تھا۔ یہ ایک بازار تھا جو عرفہ کے نزدیک تھا۔ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب وہاں جمع ہو کر لین دین کیا کرتے تھے۔ میرے ساتھ میرے بھتیجے محمد ﷺ بھی تھے۔ (یہ حضور ﷺ کی زندگی کا دسواں سال تھا) مجھے سخت پیاس لگی، تو میں نے ان سے شدت عطش کی شکایت کی۔ یہ اس لیے نہ تھا کہ میں نے ان کے پاس کوئی پانی دیکھا تھا، بلکہ ویسے ہی اپنی تکلیف کا اظہار کیا۔ بظاہر ہم دونوں ہی بھوک اور پیاس کی شدت سے دو چار تھے، میرے عرض کرتے ہی ننھے محمد ﷺ سواری سے اترے اور پوچھا:

''چچا واقعی بہت پیاس لگی ہے؟''

میں نے کہا:

''ہاں، بات اسی طرح ہے۔''

محمد (ﷺ) نے اپنی ایڑی زور سے زمین پر ماری تو پانی کا

چشمہ ابل پڑا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

"چچا جان پانی پی لیں۔"

میں نے اس چشمۂ فیض سے اپنی پیاس بجھالی۔ اس وقت عمر مبارک دس برس تھی۔"

ابن سعد اور ابن عسا کر نے عمرو بن شعیب سے بھی روایت کی ہے:

"محمد ﷺ اپنی سواری سے ایک پتھر پر اترے اور کچھ پڑھ کر پتھر کو ٹھوکر ماری، وہاں سے پانی کا چشمہ جاری ہوگیا۔"

ابو طالب کہتے ہیں:

"میں نے آج تک ایسا پانی نہ دیکھا۔ میرے سیراب ہونے کے بعد محمد ﷺ نے اس جگہ دوبارہ ٹھوکر ماری تو پانی نکلنا بند ہوگیا، اور پہلے کی طرح ہوگیا۔"

شام کا پہلا سفر

عمر گراں مایہ کی بارہ منزلیں گزر چکی تھیں۔

ابو طالب اپنے کاروبار کے سلسلہ میں اکثر شام آیا جایا کرتے تھے۔ جب حضور ﷺ کی عمر مبارک بارہ سال ہوئی تو ابو طالب کو ایک قافلے کے ہمراہ شام کے لیے تجارتی سفر پر روانہ ہونا پڑا۔

ملک شام جانے کے لیے قریش کے تاجر قافلوں کی فرودگاہ میں جمع ہو رہے تھے فرودگاہ میں خاصی چہل پہل اور گہما گہمی تھی۔ اونٹوں کے بلبلانے کی آوازیں ان کے گلے میں پڑی ہوئی گھنٹیوں کی صدائیں سنائے دے رہی تھیں۔ لوگ افراتفری میں ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ تجار کے غلام اپنی ننگی پیٹھوں پر اور کچھ اپنے سروں پر بڑے بڑے گٹھڑ اٹھائے ہوئے تھے بعض گدھوں سے باربرداری کا کام لے رہے تھے، کہیں غلاموں کے چیخ و پکار کی آواز سنائی دیتی، کہیں آقاؤں کے ہاتھ تیزی سے کوڑے گھماتے نظر آتے، جو بے بس اور مظلوم غلاموں کی پیٹھوں پر تڑک تڑک برستے۔ ان غلاموں سے جانوروں سے بدتر سلوک کیا جاتا تھا۔

بے چارے غلام اپنی ننگی پیٹھوں پر باربرداری کا کام انجام دے رہے تھے۔ وہ بھاری سامان اُٹھائے، لڑکھڑاتے قدموں، زرد چہروں، مضمحل دماغ اور پسینے سے بھیگے ہوئے اپنے کام میں مصروف تھے، مگر ان کے آقا پھر بھی ان کی مشقت سے خوش نہ تھے۔ گویا یہ غلام انسان نہیں جانوروں سے بھی بدتر کوئی جنس ہے، جن کی جانیں

ان کے رحم و کرم پر ہیں۔ جو ان کی زندگی اور موت کے مالک ہیں۔ جو اگر چاہیں تو ان پر کوڑے برسائیں اور اگر ان کا دل اس سے بھی ٹھنڈا نہ ہو تو انہیں اس سے بھی زیادہ اذیت سے دو چار کر دیں۔

فرودگاہ میں عجیب چہل پہل تھی، کہیں تو سامان تجارت کو پرکھا جا رہا تھا، کہیں مول تول کی باتیں ہو رہی تھیں، کوئی سونگھ رہا تھا، کوئی چکھ رہا تھا، کوئی صرف دیکھ رہا تھا، کسی کی آنکھیں بند ہیں، لیکن دماغ سوچ اور انگلیاں گننے میں مصروف ہیں۔

کہیں وزن ہو رہا ہے، کچھ اونٹوں پر سامان لادا جا چکا ہے۔ کہیں کنیزیں کام میں مصروف ہیں، کہیں دختر زر کے رسیا جام و سبو اور مینا و ساغر سے دل بہلا رہے ہیں۔

سورج کے مغرب میں روپوش ہوتے ہی یہ ہنگامہ شروع ہو گیا تھا، جوں جوں سورج پر زردی چھا رہی تھی مختلف راستوں سے چھوٹے بڑے قافلے نمودار ہوتے اور فرودگاہ میں پہنچنے لگے، ہر ایک کی یہی کوشش تھی کہ جلد از جلد روانگی کے لیے تیار ہو جائے۔

یہ قریش کا تجارتی قافلہ تھا جسے پہر رات گزرنے پر شام کی طرف عازم سفر ہونا تھا۔ قریش کے ایسے قافلے ہر سال وافر مقدار میں سامان تجارت لے کر ملک شام روانہ ہوتے، اور وہاں سے اناج، ظروف، پارچاجات اور ضروریات زندگی کی دیگر اشیاء خرید کر لاتے۔ یہ ان کا معمول تھا، یہی ان کی تجارت تھی، اس سے وہ روزگار حاصل کرتے، اور اسی پر ان کی گزر بسر ہوتی، یہی ان کی شہرت کا سب سے بڑا ذریعہ تھا۔ اس سے وہ تجربات حاصل کرتے، اور مشاہدات کی دولت سے مالا مال ہوتے۔

قریش مکہ تجارت کی غرض سے اندرون ملک اور بیرون ملک طرح طرح کے سفروں کے عادی ہوتے تھے۔ ان کے اس تجارتی معمول کا مختصر ذکر قرآن کریم کی سورہ القریش میں یوں ہوا ہے:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لِاِیۡلٰفِ قُرَیۡشٍ ۙ﴿۱﴾ اٖلٰفِہِمۡ رِحۡلَۃَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیۡفِ ۚ﴿۲﴾ فَلۡیَعۡبُدُوۡا رَبَّ ہٰذَا الۡبَیۡتِ ۙ﴿۳﴾ الَّذِیۡۤ اَطۡعَمَہُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ ۬ۙ وَّ اٰمَنَہُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ ٪﴿۴﴾

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

"اس لیے کہ اللہ نے قریش کے دلوں میں اُلفت پیدا کر دی، الفت تجارتی سفر کی جاڑے اور گرمی (کے موسم) میں پس چاہیے کہ وہ عبادت کیا کریں اس خانہ (کعبہ) کے رب کی، جس نے انہیں رزق دے کر فاقہ سے نجات بخشی اور امن عطا فرمایا انہیں (فتنہ و) خوف سے۔" (سورہ القریش: 1-4)

موسم گرما میں قریش شمال کی طرف شام اور فلسطین میں تجارت کی غرض سے سفر کیا کرتے تھے، کیونکہ یہ سرد خطے تھے۔ اسی طرح موسم سرما میں یہ قافلے عرب کے جنوب میں یمن کی طرف جاتے تھے، کیونکہ یہ علاقے گرم تھے، قریش کے کاروباری مشاغل انہیں شام، مصر، عراق، یمن اور حبشہ سے تجارتی اور ثقافتی تعلقات استوار کرنے کے بہترین مواقع فراہم کرتے، اور پھر یوں رفتہ رفتہ ان کے ہاں مال و دولت کی فراوانی ہوگئی۔ تجارت کے ساتھ ساتھ تجارتی میل جول سے ان کا معیار دانش وحکمت اور غور و فکر میں اس قدر لطافت آگئی کہ تمدنی اعتبار سے بھی انہیں سارے علاقے میں فضیلت و برتری حاصل ہوگئی۔

ابو طالب بھی اپنے کاروبار کے سلسلے میں اکثر ملک شام جایا کرتے تھے،

جب ننھے محمد ﷺ بارہ برس کے ہوئے تو ابو طالب کو ایک قافلے کے ہمراہ شام کے لیے جانا پڑا۔ ننھے محمد ﷺ بھی آپ کے ساتھ جانا چاہتے تھے۔ یوں تو ابو طالب کو لمحہ بھر کے لیے بھی آپ ﷺ سے جدائی گوارہ نہ تھی، مگر اتنے طویل اور پر خطر سفر کی ممکنہ تکالیف سے اپنے پیارے بھتیجے کو ساتھ لے جانے پر آمادہ نہ تھے۔

شام کے اس سفر کے بارے میں روایات میں آتا ہے:

"حضور ﷺ کی عمر مبارک بارہ سال ہوگئی تو ابو طالب جو کہ آپ ﷺ کے چچا تھے، انہوں نے قریش کی ایک جماعت کے ساتھ تاجرانہ حیثیت سے شام کی طرف جانے کا ارادہ کیا تو حضور ﷺ نے بھی اس سفر میں ساتھ جانے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ چونکہ ابو طالب کا حضور ﷺ کو ساتھ لے جانے کا ارادہ نہیں تھا، اس لیے سوچ میں پڑ گئے، مگر جب حضور ﷺ نے ان کی اونٹنی کی مہار پکڑ کر فرمایا:

"اے چچا جان! مجھے اس شہر میں کس امید پر چھوڑے جا رہے ہیں۔"

اس پر ابو طالب کا دل بھر آیا اور قلب پر رقت طاری ہوگئی اور کہا:

"خدا کی قسم! ضرور انہیں اپنے ساتھ لے کر چلوں گا، وہ ہرگز مجھ سے جدا نہ ہوں گے، اور میں کبھی ان سے جدا نہ ہوں گا۔"

جب ابو طالب نے قسم کھائی تو دیگر عزیز و اقارب نے اس پر افسوس کا اظہار کیا:

"اس فرزند کو جس سے سورج کی گرمی بھی پرہیز کرتی ہے، بارہ سال کی عمر میں اسے کوئی شخص سفر میں کیسے لے جا سکتا ہے۔"

اس پر ابو طالب کشمکش و پیچ میں پڑ گئے، اور آپ ﷺ کو واپس کر دینا چاہا، اچانک دیکھا کہ حضور ﷺ ایک گوشہ میں تنہا بیٹھے آنسو بہا رہے ہیں۔

ابو طالب نے پوچھا:

''اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک! کیا بات ہے کہ تم آنسو بہا رہے ہو؟''

ننھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی۔

ابو طالب کہنے لگے:

''شاید آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس لیے آنسو بہا رہے ہیں کہ ہم سے جدا ہونا پڑ رہا ہے۔''

ننھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''ہاں، چچا محترم یہی بات ہے۔''

یہ سننا تھا کہ ابو طالب نے کہا:

''خدا کی قسم! اس کے بعد کبھی بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدائی نہ کروں گا۔''

چنانچہ شام کے اس سفر میں ننھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر چل پڑے۔

شام کے اس پہلے تجارتی سفر کے دوران حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مظاہر قدرت اور تاریخ امم کے بہت قریبی مشاہدات فرمائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبعی عمر تو بارہ سال سے زائد نہ تھی مگر ذہانت و فطافت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بے انتہا تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پختہ عمر دانشور نظر آتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فطری تجسس اور ذوق مشاہدہ ہر ایک کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیچیدہ معاملات کی تہ تک پلک جھپکنے میں پہنچ جایا کرتے تھے۔

اس تاریخی سفر میں ننھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشن نگاہیں شفاف آسمان کے چمکتے ستاروں سے بہت زیادہ مانوس ہوئیں۔ اس کے علاوہ زمین پر موجود مناظر قدرت سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لطف اندوز ہوئے۔ شام کے سرسبز میدانوں اور دلفریب چمن زاروں کے سامنے طائف کے ماحول اور باغات کی بھی کوئی حیثیت نہ تھی۔

سرسبز شامی خطہ مکہ کے بے آب وگیاہ پہاڑوں سے کہیں زیادہ شگفتہ وشاداب تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راستہ بھر ان تمام قدرتی مناظر کا بڑی بصیرت اور تدبر سے مشاہدہ کیا۔

مدین کے علاقوں میں، وادی القریٰ اور دیار ثمود سے آپ ﷺ گزرے۔ آپ ﷺ نے اس خطہ زمین اور پہلی اقوام کے بارے میں بہت کچھ سن کر اپنے حافظہ میں محفوظ کر رکھا تھا، اور جب آپ ﷺ نے اپنی پر تجسس نگاہوں سے ان آثار قدیمہ کو ملاحظہ فرمایا تو آپ ﷺ کی فہم وفراست میں معنی خیز اضافہ ہوا۔

امور علم و دانش اور مذاہب و مسالک عالم کے بارے میں آپ ﷺ کو پہلے ہی خاصی معلومات تھیں۔ دوران سفر انسانی معیار و اقدار اور فکر و کردار کے معاملوں میں اپنی فطری دلچسپی کی مزید تشفی ہوئی۔

رات کا ایک پہر گزر چکا تھا، فضا میں خنکی رچی بسی تھی، کارواں اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا، حدی خواں کی آواز بلند ہوتی، تو سوئی ہوئی پہاڑیاں خوابیدگی سے جاگ جاگ اٹھتیں۔ ریت کا ذرہ ہمہ تن گوش ہو جاتا، اور آواز دور دور تک گونجتی، اونٹ اپنی رفتار تیز کر دیتے نگاہوں سے اپنے ماحول کا جائزہ لیتے۔

ستارے آسمان کی وسعتوں پر پھیلے ہوئے تھے، ان ستاروں نے نہ جانے اب تک کتنے قافلوں کو ان رہگزروں سے گزرتے دیکھا تھا۔ ان کی آن بان اور شان اپنی بوڑھی آنکھوں میں بسائی ہوگی۔ ان کے نقش اپنی پلکوں پر ثبت کیے ہوں گے، مگر یہ قافلہ...... اس قافلے کی تو شان ہی نرالی تھی۔ اس قافلے میں ایک ایسی ہستی موجود تھی، جس کے انتظار میں ستاروں نے لاکھوں سال سے شب بیداری کی، جو اس کے دیدار کے لیے ازل سے بے تاب تھے، دن میں لوگوں کی نظروں سے چھپ چھپ کر ڈھونڈا تھا، اور رات کے اندھیرے میں اسے دیکھنے کے لیے آسمان کی وسعتوں پر پھیل جاتے تھے۔

جو آج تارہ ہے، وہ کل بدر منیر ہوگا، پرسوں آفتاب رسالت کی ضوفشانیوں سے جلوہ گر ہوگا، اور کائنات کا ذرہ ذرہ انوار و تجلیات سے مستنیر ہو جائے گا۔ جس کی رسالت کی

ضوفشانیوں ظلمت کو دور کر دیں گی، جو کفر و شرک کے اندھیروں کو انوار میں بدل دے گا۔ جس کی ضوفشانیوں سے باطل خدا چکنا چور جائیں گے۔ جو ہر طرف رحمت ہی رحمت ہو گا۔

یہ ہیں محمد ﷺ، ابو طالب کے بھتیجے جان آمنہ رضی اللہ عنہا اور جگر گوشہ عبداللہ رضی اللہ عنہ، عبدالمطلب کی آنکھ کا تارہ، اور اس کائنات کا وارث۔

محمد ﷺ سو رہے ہیں۔ محمل سبک رفتار ہے، کجاوہ جھول رہا ہے، حدی خواں کی آواز بلند ہو چکی ہے۔

صبح کی روشنی رات کی چادر کو لپیٹ کر کائنات پر پھیل رہی ہے۔ لوگ بیدار ہو رہے ہیں۔ آنکھوں میں ہلکی ہلکی خوابیدگی ہے۔ آنکھیں نیند سے قدرے بوجھل ہیں۔ دماغ پر ہلکی سی غنودگی چھائی ہوئی ہے۔ پورا قافلہ صبح کے استقبال کے لیے بیدار ہو رہا ہے۔

ننھے محمد ﷺ نے بھی اپنی آنکھیں وا کیں۔ انہوں نے ماحول پر ایک نظر ڈالی۔ صبح کی ٹھنڈی روشنی میں عجب لطافت ہوتی ہے۔

اونچے اونچے پہاڑوں پر روئیدگی کا نشان تک نہیں تھا، پہاڑ حد نگاہ تک پھیلے ہوئے تھے۔ ایک طرف صحرا تھا، جہاں ریت کا سمندر موجزن تھا، ریت کے ننھے ننھے سے ذروں کو اونٹ اپنے پیروں تلے روندتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ مسافروں کے جسم نیند کی وجہ سے کسل مند تھے۔ اونٹوں کی لمبی قطاریں صحرا میں آگے بڑھ رہی تھیں۔ سورج اپنا مکھڑا بلند کرتا جا رہا تھا، دور کہیں نخلستان دکھائے دیتے تو کہیں ریوڑ نظر آتے، کہیں کہیں اکا دکا مسافر آتے جاتے بھی دکھائی دیتے۔ کہیں بے ترتیب جھونپڑیاں نظر آتیں۔

رفتہ رفتہ سورج کی تمازت بڑھنے لگی، حدی خوانوں کی آواز بھی خاموش ہے۔ اب وہ اونٹوں کو تیز تیز ہانک رہے ہیں تاکہ دوپہر سے پہلے ہی اگلی منزل پر پہنچ کر

پڑاؤ ڈالیں۔

اونٹوں کی قطاریں سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی آگے بڑھ رہی ہیں۔ سب سے آخری قطار میں ایک ساربان کی نظر سب سے اگلی قطار پر پڑی تو وہ حیرت سے اچھل ہی پڑا۔ اس نے آج تک ایسا نظارہ نہ دیکھا تھا، وہ حیرت سے وہ منظر دیکھنے لگا، جب اس کی حیرت اور بڑھی تو اس نے اپنی آنکھوں کو مسلا اور پھر دوبارہ دیکھنے میں محو ہو گیا۔

وہ زیرلب بڑبڑایا:

"کمال ہے۔ حیرت ہے۔ یہ سب کیا دیکھ رہا ہوں؟"

اس کے ساتھی ساربان نے اسے خود کلامی کے انداز میں بڑبڑاتے دیکھا تو اسے یوں دیکھنے لگا، جیسے اس کی دماغی حالت مشکوک ہو۔

ساربان نے حیرت سے اپنے ساتھی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا:

"کیا بات ہے۔ تم کچھ بوکھلائے ہوئے ہو، اور یہ کیا خود کلامی کے انداز میں کہہ رہے ہوں۔"

وہ ساربان حیرت سے بولا:

"میرے بھائی! بات ہی کچھ ایسی ہے۔ میری آنکھوں نے آج تک ایسا حیرت انگیز منظر نہیں دیکھا، مجھے تو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا۔ میں نے اپنی زندگی میں بے شمار سفر کیے ہیں مگر آج تک ایسا حیرت انگیز منظر میں نے نہیں دیکھا۔"

اب تو دوسرے ساربان پر بھی حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے۔ وہ بول اٹھا:

"آخر ہوا کیا ہے، کچھ مجھے بھی تو پتا چلے؟"

پہلے ساربان نے اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"وہ دیکھو سامنے۔"

دوسرے ساربان نے سامنے دیکھا، مگر اسے تو قافلے کے سوا کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اب ساربان کے چہرے پر بیزاری تھی۔

''وہاں تو سوائے اونٹوں کی لمبی قطار کے کچھ بھی نہیں۔''

ساربان نے اشارہ کرتے ہوئے کہا:

''وہ سامنے ابوطالب کے اونٹوں کی قطار میں دیکھو سرخ جھول والی ناقہ کے اوپر ایک ابر سایہ کیے ہوئے ہے۔''

یہ سنتے ہی ساربان نے سرخ جھول والی اونٹنی کی طرف دیکھا، اور پھر اچھل ہی پڑا، ناقہ پر ایک ابر سایہ فگن تھا۔ وہ ابر سایہ کا احاطہ کیے ہوئے تھا، اور ایک ہلکا سا دھبہ معلوم ہو رہا تھا۔

دوسرا ساربان آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا، وہ انگشت بدنداں ہو کر رہ گیا۔

دوسرے ساربان نے پوچھا:

''ہاں تم درست کہتے ہو، مگر اس ناقہ پر سوار کون ہے؟''

''ابوطالب کا بھتیجا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)''

''ہوں...... معلوم ہوتا ہے ہمارے دیوتا اس نوجوان پر مہربان ہو گئے ہیں، جبھی تو یہ سایہ......''

پہلے ساربان نے اس کی بات ادھوری کاٹتے ہوئے کہا:

''دیوی دیوتاؤں کو میں نے بہت سے لوگوں پر مہربان ہوتے دیکھا ہے۔ ان کے ہاں اولادیں ہوئیں، انہیں مال وزر سے نوازا گیا، ان کی پیداوار میں اضافہ ہوا، ان کا ریوڑ پھلا پھولا، انہوں نے جنگوں میں فتح حاصل کی، ان کی لونڈی اور غلاموں کی

بھرمار ہوئی، مگر میں نے آج تک ایسا سایہ کبھی نہیں دیکھا، یہ تو کچھ اور ہی بات ہے۔ یہ وہی لڑکا ہے، جس کی دعا سے خشک سالی کا خاتمہ ہوا تھا، اور بارش برسی تھی، حالانکہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ پوری قوم نے دیوی دیوتاؤں کے استھانوں پر اپنی پیشانیاں جھکا دی تھیں، نذرو نیاز کے انبار لگا دیے تھے، قربانیوں سے استھانوں کو سرخ کر دیا تھا، بارش پھر بھی نہیں ہوئی تھی، مگر اس لڑکے کی دعا سے بارش برسی اور خوب کھل کر برسی، سب جگہ جل تھل ہوگیا، زمین نے چارہ اناج اگلنا شروع کر دیا، دھرتی نے چشمے اگل دیے، ہر طرف ہریالی ہی ہریالی ہوگئی، مردہ تن جی اٹھے۔"

پہلے ساربان نے کہا:

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو، میرے دوست، یہ لڑکا بڑا بابرکت ہے۔ میں نے اس سے پہلے ابو طالب کے ساتھ بیسیوں بار سفر کیا، مگر اس کے اونٹوں کی تیز رفتاری ہم نے آج تک نہیں دیکھی، ابو طالب کے مریل اونٹوں میں بجلیاں کوندرہی ہیں، اور وہ سب سے آگے آگے چل رہے ہیں، ان پر سامان بھی پہلے سے زیادہ لدا ہوا ہے۔ پھر بھی اونٹ تھکے نہیں، بلکہ خراماں خراماں چل رہے ہیں، یوں جیسے ان پر سامان لدا ہوا نہ ہو، اور یہ بالکل تازہ دم ہوں۔"

"ہاں...... یہ لڑکا بڑا بابرکت ہے، حلیمہ سعدیہ کی بکریاں اس کی گواہ ہیں۔ جن کا دودھ اس لڑکے کی بدولت اس قدر بڑھ گیا تھا کہ پورے قبیلہ میں چہ میگوئیاں ہونے لگی تھیں۔ اس کی بدولت حلیمہ سعدیہ کا گھرانہ فیوض و برکات سے بھر گیا تھا، اس پر خوشحالی

برسنے لگی تھی۔"

محمد ﷺ اپنی ناقہ پر سوار محوِ سفر تھے، وہ راستے میں آنے والی ہر چیز کا بغور مشاہدہ کر رہے تھے، اور ماحول سرگوشیاں کرتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"پیارے محمد ﷺ! زندگی کی راہیں ہماری گھاٹیوں سے کہیں زیادہ دشوار گزار اور پر پیچ ہیں۔ آپ ﷺ ہر پست و بالا کو دیکھ لیں، تاکہ آپ ﷺ کے قدموں میں لغزش نہ آئے، زندگی کا سفر مضبوط جسم، بلند حوصلے اور عقل نکتہ رس سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے سفر کی تکالیف سے ہراساں نہ ہونا۔"

مسافتیں طے کرتا ہوا یہ قافلہ شام کی سرحد پر بصریٰ کے گاؤں کعربہ میں پہنچا۔ اس گاؤں میں عیسائیوں کا ایک بہت بڑا گرجا اور خانقاہ تھی، گرجا کا نگران عالم نصرانیوں کا بہت بڑا عالم بحیرا تھا۔ اس نے جب سے رہبانیت اختیار کی، اس کلیسا میں اس نے قیام رکھا، اس کلیسا میں ایک مقدس کتاب تھی، جس کا علم اس راہب کو تھا۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ کتاب اس کے اسلاف میں ورثہ میں چلی آ رہی تھی، راہب بحیرا اپنا زیادہ تر وقت لوگوں سے الگ تھلگ رہ کر سوچ و بچار میں غرق گزارتا، بحیرا بڑا زیرک عالم تھا۔

اس سال قافلہ بحیرا کی خانقاہ کے قریب اترا، اور ایک سایہ دار درخت تلے پڑاؤ کیا۔ عرب کے تجارتی قافلے وہاں سے گزرتے ہوئے اکثر وہاں قیام کرتے، بحیرا نے آج تک کسی مسافر تاجر سے بات تک نہ کی تھی، جب قافلے کے لوگوں نے یہاں پڑاؤ کیا تو بحیرا نے ان کے لیے بہت بڑی ضیافت کا اہتمام کیا۔

اصل واقعہ یہ تھا کہ جب قافلہ آ رہا تھا، تو اس وقت بحیرا خانقاہ کی چھت پر موجود تھا۔ اس نے دیکھا کہ قافلہ کے ایک دس بارہ سالہ لڑکے پر بادل کا ایک ٹکڑا

سایہ فگن ہے۔ جب یہ لڑکا درخت کے نیچے بیٹھا تو ساری شاخیں مزید سایہ کے لیے اس طرف جھک گئیں، اور آپ ﷺ اسی سایہ میں تشریف فرماتھے۔

بحیرا نے یہ ساری باتیں ملاحظہ کیں تو وہ کلیسا کی چھت سے نیچے اترا، اس نے کھانے کی تیاری کا حکم دے دیا، جب کھانا تیار ہوگیا تو بحیرا نے اہل قافلہ کے پاس ایک آدمی بھیجا کہ تمام قافلہ کو بلا لائے۔

قریش کو جب اس ضیافت کا علم ہوا تو وہ بہت حیران ہوئے۔ یہ بڑی انوکھی بات تھی۔ وہ اس کلیسا کے پاس سے اس سے پہلے بھی کئی بار گزر چکے تھے، مگر اس راہب نے ان سے کوئی تعرض نہ کیا تھا، کبھی ان سے بات کرنے کی زحمت گوارہ نہ کی، مگر اس روز تو وہ نہ صرف مائل ملاقات نظر آتا تھا بلکہ ان کے لیے بڑی محبت سے پُرتکلف ضیافت کا اہتمام بھی کر رہا تھا۔

قافلے والوں نے بحیرا کی طرف سے ضیافت کی دعوت قبول کرلی، اس سایہ دار درخت کے نیچے اپنے سامان کی حفاظت کے لیے ننھے محمد ﷺ کو بٹھا کر سب کے سب کلیسا میں پہنچ گئے۔

بحیرا نے اہل قافلہ سے کہا:

"اے گروہ قریش! میں نے تمہارے لیے کھانا تیار کیا ہے، میری خواہش ہے کہ تم سب کے سب آؤ، خواہ تم میں کوئی چھوٹا ہو یا بڑا، غلام ہو یا آزاد۔"

اہل قافلہ میں سے ایک شخص سے کہا:

"آج تو تمہاری حالت ہی کچھ اور ہے، ہم تو تمہارے پاس سے بار بار گزر رہے ہیں تم ایسا سلوک تو ہمارے ساتھ نہیں کرتے تھے، آج ایسی کون سی غیر معمولی بات ہوگئی؟"

بحیرا کہنے لگا:

''تم نے بالکل سچ کہا ہے، جو کچھ تم کہہ رہے ہو میری حالت ویسی ہی تھی، لیکن تم لوگ مہمان ہو، اور میری خواہش ہے کہ تمہاری عزت کروں اور تمہارے لیے کھانا تیار کروں تاکہ تم سب کھاؤ۔''

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی کم عمری کی وجہ سے اہل قافلہ کے کجاوؤں کے پاس اسی درخت کے نیچے تشریف فرما رہے، جب بحیرا نے ان لوگوں کو دیکھا، اور وہ صفت جو اس کے خیال میں تھی اور جسے وہ جانتا تھا، نہ دیکھی تو پھر کلیسا کی چھت پر چڑھا اور اس بادل کو اسی درخت کے اوپر سایہ فگن دیکھا تو چھت سے نیچے اتر آیا، اور کہنے لگا:

''اے گروہ قریش! میری درخواست یہ تھی کہ تمام لوگ دعوت میں تشریف لائیں، میرا خیال ہے کہ بعض پیچھے رہ گئے ہیں۔''

اہل قافلہ نے جواب دیا:

''اے بزرگ! صرف ایک کم عمر لڑکا پیچھے رہ گیا ہے، جسے ہم سامان کی حفاظت کے لیے درخت کے نیچے چھوڑ آئے ہیں۔''

بحیرا نے کہا:

''ایسا نہ کرو، میری خواہش ہے کہ وہ بھی تشریف لائیں، اور اس کھانے میں تمہارے ساتھ شریک ہوں۔''

اسی اثنا میں زبیر بن عبدالمطلب بول اٹھے:

''لات و عزیٰ کی قسم! ہمارے لیے باعث ندامت ہے کہ ہم عبداللہ بن عبدالمطلب کے فرزند کو ضیافت میں شرکت کے لیے ساتھ نہ لائیں۔''

یہ کہہ کر زبیر بن عبدالمطلب فوراً اٹھے، اور جا کر ننھے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتھ لے آئے

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بڑی شفقت اور احترام کے ساتھ اپنے ساتھیوں کے پاس لا کر بٹھا دیا۔

کلیسا میں ننھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری پر بحیرا کی جان میں جان آئی، اپنی مقدس کتاب میں دی ہوئی نشانیوں کی روشنی میں اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچان لیا، اور تعظیماً کھڑے ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استقبال کیا۔

روایات میں یہ بھی آتا ہے:

''بحیرا نے مہمانوں کو درخت کے سایہ میں بٹھایا ہوا تھا، پیچھے سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تھے تو بادل سایہ فگن تھا، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجلس میں داخل ہوئے تو اس درخت کا سایہ جس میں مہمان بیٹھے ہوئے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جھک گیا۔''

بحیرا نے جب یہ دیکھا تو کہنے لگا:

''دیکھو، اس درخت کا سایہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کیسے مائل ہوتا ہے۔''

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں آ کر بیٹھ گئے، بحیرا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غور سے دیکھنے لگا، اور جسم پاک کے ان خاص خاص حصوں کا معائنہ کرنے لگا، جن کی صفات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شناخت میں اپنے پاس پاتا تھا۔

کھانے سے فارغ ہو کر لوگ ادھر ادھر ہونے لگے تو بحیرا اٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چلا آیا اور کہنے لگا:

''اے صاحبزادے! میں تجھے لات وعزیٰ کی قسم دیتا ہوں، جو کچھ میں تم سے پوچھوں اس کا ٹھیک ٹھیک جواب دیتے جانا۔''

بحیرا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسا اس لیے کہا تھا کہ اس نے قریش کو لات وعزیٰ کی قسمیں کھاتے دیکھا اور سنا تھا۔

ننھے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"لات وعزیٰ کی قسم دے کر مجھ سے کوئی بات نہ پوچھ، اللہ کی قسم!
مجھے ان دونوں سے جتنی نفرت اور جتنا بغض ہے، کسی اور چیز سے
کبھی نہیں رہا۔"

بحیرا نے آپ ﷺ سے کہا:

"اللہ کی قسم! آپ ﷺ! مجھے وہ بتایئے جو میں آپ ﷺ سے
پوچھتا ہوں۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"جو تمہیں مناسب معلوم ہو، وہ مجھ سے دریافت کرو۔"

بحیرا نے ننھے حضور ﷺ سے متفرق سوالات کیے، بعض نینداور بیدار ہونے کے بارے میں اور بعض دیگر امور کے بارے میں، ننھے حضور ﷺ ان سوالات کے جوابات دیتے رہے۔

اور خواب کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"میری آنکھ سو جاتی ہے لیکن میرا دل بیدار ہوتا ہے۔"

ننھے حضور ﷺ اپنی ذات بابرکات کی علامات وصفات بیان فرماتے جاتے تھے، اور بحیرا راہب ان صفات کو جو اس نے کتب سابقہ میں آخری نبی ﷺ کی صفات کے ضمن میں پڑھ رکھی تھیں، اس کے موافق پاتا تھا۔

بحیرا ننھے حضور ﷺ کے جوابات کو اپنی مقدس کتاب کے عین مطابق پا کر بہت خوش اور بے حد مطمئن ہوا۔

ننھے حضور ﷺ کی سرخ چمکیلی چشمان مبارک کی طرف دیکھ کر اس نے ابوطالب جو بعض مخصوص لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، ان سے پوچھا:

"کیا یہ سرخی کبھی زائل بھی ہوتی ہے یا نہیں؟"

انہوں نے کہا:

”ہم نے کبھی اسے زائل ہوتے نہیں دیکھا تھا۔“

چنانچہ یہ علامت بھی درست نکلی، اسے اور زیادہ یقین ہو گیا لیکن دل کی تسلی اور یقین کو تقویت پہنچانے کی غرض سے بحیرا نے ننھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی:

”دوش مبارک سے کپڑا ہٹائیں تاکہ میں مہر نبوت کا مشاہدہ کر سکوں۔“

ننھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شرم وحیا کی وجہ سے دکھانا نہیں چاہتے تھے، اس پر ابوطالب نے کہا:

”اے میری دونوں آنکھوں کے نور! بحیرا کو مہر نبوت کے دیدار سے محروم نہ رکھو۔“

چنانچہ ننھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوش مبارک سے کپڑا ہٹایا۔

بحیرا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شانوں کے درمیان مہر نبوت کی زیارت کی۔ بحیرا فرط مسرت اور شدت جذبات پر قابو نہ رکھ سکا، اس کی آنکھوں سے عقیدت کے آنسو بہنے لگے۔ اس نے بڑے ادب سے مہر نبوت کا بوسہ لیا۔

ننھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے بارے میں سوال وجواب، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جسمانی خصوصیات کے قریبی مشاہدے اور مہر نبوت کی سعادتِ زیارت سے بحیرا کا چہرہ تمتما اٹھا۔ ہر بات اور ہر نشانی اس کی مقدس کتاب کے عین مطابق ثابت ہوتی چلی جا رہی تھی۔

بحیرا راہب کی معنی خیز ضیافت کامیاب رہی۔ اسے پورا یقین ہو گیا کہ ننھے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہی عظیم و برتر ہستی ہیں جن کی نشانیوں اور حفاظت کا ذکر اس کی مقدس کتاب میں بھی درج تھا۔

ننھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات چیت سے فارغ ہو کر بحیرا ابوطالب کی طرف متوجہ

ہوا اور ان سے پوچھا:

"اس صاحبزادے کا آپ سے کیا رشتہ ہے؟"

ابوطالب نے کہا:

"یہ میرا فرزند ہے۔"

بحیرا بولا:

"نہیں۔ یہ تمہارا فرزند نہیں ہے۔ اس فرزند کے والدین زندہ نہیں ہو سکتے۔"

اس پر ابوطالب نے بتایا:

"یہ میرے بھائی کا فرزند ہے۔"

بحیرا نے بے تاب ہو کر پوچھا:

"پھر ان کا باپ کہاں ہے؟"

ابوطالب نے جواب دیا:

"ان کا انتقال ہو چکا ہے۔"

بحیرا راہب نے کہا:

"آپ نے سچ کہا۔"

پھر بحیرا راہب بڑی سنجیدگی سے کہنے لگا:

"ہماری کتابوں اور پرانی روایتوں کے حساب سے یہ سید المرسلین ﷺ ہیں۔ ان کی شریعت دنیا میں پھیلے گی، اور ان کا روشن دین تمام سابقہ شریعتوں کو منسوخ کر دے گا، آپ انہیں ساتھ لے کر شام کی طرف ایک قدم بھی نہ بڑھیں کیونکہ وہاں فتنہ پرور یہودیوں کا غلبہ ہے، اگر کہیں ان یہودیوں کو بھی وہ سب باتیں

معلوم ہوگئیں جو مجھے معلوم ہیں تو وہ آپ ﷺ کے خلاف ضرور کوئی نہ کوئی خطرناک سازش کریں گے، اور آپ ﷺ کو نقصان پہنچائیں گے۔ اس لیے بہتری اسی میں ہے کہ آپ انہیں ساتھ لے کر یہیں سے فوراً مکہ واپس لوٹ جائیں۔"

ابو طالب نے یہ سنا تو بہت فکرمند ہوئے، سامان تجارت کو بصریٰ ہی میں فروخت کیا، اور مکہ مکرمہ کو واپس تشریف لے گئے۔

ایک روایت میں آتا ہے:

"حضور ﷺ کو اس مقام سے واپس مکہ مکرمہ بھیج دیا گیا، اور خود تجارت کی تکمیل کے لیے شام کی طرف گئے۔"

ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے:

"ابوطالب جب شام کی تجارت سے فارغ ہو گئے تو وہاں سے جلد نکلے اور آپ ﷺ کو لے کر مکہ مکرمہ چلے آئے۔"

اس سفر کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ بھی روایت میں آتا ہے:

"شام میں تین یہودی اکھٹے رہتے تھے، جن کے نام یہ تھے۔

(۱) زریر (۲) دریس (۳) تمام۔

اپنی قدیم مذہبی کتابوں کے مطالعہ سے انہوں نے بھی یہ حقیقت معلوم کرلی تھی کہ اس وقت آخری نبی ﷺ اس روز بحیرا کے کلیسا کے سامنے درخت کے نیچے اترے گا، چنانچہ جس دن ابوطالب کا تجارتی قافلہ اس درخت کے نیچے رکا تو یہ تینوں بدفطرت یہودی کاہن بھی حضور ﷺ کے قتل کی ناپاک نیت سے وہاں آپہنچے تھے، یہ یہودی بحیرا راہب سے بھی ملے تھے، انہوں نے بحیرا کو راز

میں لے کر بتا دیا تھا کہ وہ مقدس کتابوں میں مذکور اس آخری نبی ﷺ کے قتل کے ارادے سے وہاں آئے ہیں، اور یہ کہ ان کے حساب سے وہ شخص اس جگہ پہنچ چکا ہے، قتل کی اس ناپاک سازش میں انہوں نے بحیرا سے بھی مدد مانگی تھی، بحیرا یہ سن کر چونک اٹھا۔ اس نے انہیں سمجھایا:

"اگر وہ آخری نبی ﷺ ہیں جس کی تعریف وصفات تم نے آسمانی کتابوں میں پڑھی ہیں، تو وہ شخص جو توریت، زبور اور انجیل پڑھتا ہے، ان کو نبی ﷺ ہونے کے اعتبار سے کیسے نہیں پہچانے گا، اور ان کے قتل کا ارادہ کیسے کر سکتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب اللہ کسی سے کوئی نیک کام کروانا چاہے تو کیا کوئی شخص اسے روک سکتا ہے؟"

ان یہودیوں نے کہا:

"نہیں۔"

اس پر بحیرا نے کہا:

"تم اس کام سے باز آجاؤ، اور واپس لوٹ جاؤ، وہ برگزیدہ ہستی (ﷺ) اللہ کی امان میں ہے، اور تم جتنا بھی چاہو اسے کبھی ختم نہ کر سکو گے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم اپنے اس ناپاک ارادہ سے باز آجاؤ اور فوراً واپس چلے جاؤ۔"

وہ کاہن واپس جانے کا نام نہیں لیتے تھے، مگر بحیرا کے واضح اور شدید اصرار پر آخر انہوں نے اس ناپاک ارادے کو ترک کر دیا اور واپس چلے گئے۔

جب ابو طالب تجارت کے بعد حضور ﷺ کو لے کر مکہ مکرمہ آئے تو جب بھی کبھی سفر کا ارادہ کرتے اور حضور ﷺ ان کے ساتھ جانا چاہتے ,تو ابو طالب بحیرا راہب کی وصیت کی وجہ سے اور حضور ﷺ پر یہود کے تعرض کے خوف سے اپنے ساتھ نہ لے جاتے، اور خود بھی جب تک شدید ضرورت لاحق نہ ہوتی بالکل سفر نہ کرتے ،کیونکہ حضور ﷺ کی جدائی ان کے لیے برداشت کرنا ممکن نہ تھا۔

ابھی تو ننھے حضور ﷺ کو عہدِ جواں میں قدم رکھنا تھا۔تجارت کے اسرار و رموز سیکھ کر اس پیشے کو اختیار کرنا تھا۔اپنے اخلاق اور امانتداری کی وجہ سے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنانا تھا۔اپنے اعلیٰ اخلاق کی بدولت لوگوں میں صادق اور امین کے لقب سے ملقب ہونا تھا اور پھر......

اور پھر بارِ نبوت اٹھانا تھا۔گم کردہ راہ لوگوں کو ہدایت کی راہ پر گامزن کرنا تھا۔ انہیں ظلمت سے نکال کر اوجِ ثریا تک پہنچانا تھا۔

اور یہ ایک بہت مشکل اور کٹھن کام تھا۔جو آگے چل کر آپ ﷺ کو انجام دینا تھا۔

❀❀❀

شام کا دوسرا سفر

آج بصریٰ کے بازاروں میں بڑی رونق تھی۔ دور دور تک کاروان قریش کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ وادی مکہ کی کھجوریں، کھالیں اور دلفریب دستکاریاں لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر رہی تھیں۔ شامی تاجر بھی اناج، اسلحہ، پارچہ جات اور دوسری چیزوں کے ڈھیر لگائے بیٹھے تھے۔ خرید و فروخت کا بازار گرم تھا۔ کہیں مال کے بدلے مال کا سودا ہو رہا تھا۔ کہیں درہم و دینار کی باتیں ہو رہی تھیں۔ دونوں طرف سے خرید و فروخت جاری تھی۔ ہر سوداگر اپنے مال کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہا تھا، رطب اللسان تھا۔ قریش کو اپنی قادر الکلامی پر غرور تھا، انہیں اس پر ناز تھا، وہ خود کو فصاحت و بلاغت کا شہنشاہ کہتے تھے۔

اس میں کوئی شک نہ تھا، ان کی فصیح و بلیغ باتیں سننے والے کے دل موہ لیتی۔ انہیں اپنی طرف متوجہ کر لیتی۔ زبان کی شیرینی کانوں کے رستے دل میں اتر جاتی اور گھر کر لیتی۔

شامی تاجروں کو سودے بازی پر ناز تھا، اس لیے بھاؤ چکانے کا معاملہ ابھی تک حل طلب تھا۔

شامی تاجروں کی ایک ٹولی ہر چیز کو غور سے دیکھتے ہوئے دبلے پتلے اونٹوں کی ایک قطار کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ جو دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ یہ ابو طالب کے اونٹ تھے۔ یہاں سامان تجارت کے ڈھیر ایک ہی جگہ لگے ہوئے تھے۔

ابو طالب نے سامان تجارت کو اس خوبصورتی سے سجا رکھا تھا کہ ہر تاجر کی نگاہ اس پر مرکوز ہو کر رہ جاتی۔

بڑھ چڑھ کر بولیاں لگ رہی تھیں۔ مول تول کا شور جاری تھا۔ لمبی قباؤں، عباؤں اور توندوں والے شامی تاجر آپس میں الجھ رہے تھے۔ چیزوں کو پرکھ رہے تھے۔ مول تول میں مصروف تھے، کچھ تو ان میں سے آپس میں الجھ رہے تھے۔ ایک دوسرے کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ ایک دوسرے پر کینہ، جھوٹا اور دھوکہ بازی کا لیبل چسپاں کر رہے تھے۔ کچھ ایسے تھے کہ رشک وحسد سے مال کو دیکھ رہے تھے۔

کوئی ابو طالب کے مال کے عیب گنتا تو دوسرا اسے احمق، بے وقوف، اندھا اور ناجنس شناس کہہ کر اس کا مذاق اڑاتا، ہر طرف چہ میگوئیاں اور سرگوشیوں کا بازار گرم تھا۔ کچھ تاجر مال دیکھتے سونگھتے، مسلتے، الٹ پلٹ کر دیکھتے اور پھر ہٹ کر آپس میں صلاح مشورہ کرنے لگتے۔

ابو طالب نہایت تحمل مزاجی سے اپنے مال کے ہر اعتراض کا معقول جواب دے رہے تھے۔ لوگوں کو مطمئن کر رہے تھے، گاہکوں کو قائل کر رہے تھے۔

محمد ﷺ اب بچپن کی حدود سے گزر کر عہدِ شباب میں قدم رکھ چکے تھے۔ وہ یہ سب کچھ نہایت باریک بینی سے دیکھ رہے تھے، جذب کر رہے تھے۔ تجارت کا مشغلہ بھی ان کے لیے بے حد دلچسپ تھا۔ مشاہدہ کی آنکھ سے پرکھ رہے تھے۔ تجارت کے گُر دیکھ اور سیکھ رہے تھے۔ یہ بھی ایک دلچسپ مشغلہ تھا، بکریاں چرانے سے تو یہ کام بہت ہی دلچسپ لگ رہا تھا۔

دوسری طرف ابو طالب کے ساتھی حیران تھے کہ آخر شامی تاجروں کو کیا ہو گیا ہے۔ کوئی ادھر کا رخ ہی نہیں کر رہا، سب ابو طالب کے مال کے گرد جمع ہیں، اس سے پہلے تو کبھی ایسا نہ ہوا تھا۔ پھر اس بار ایسی کون سی بات ہو گئی۔ شامی تاجر ابو طالب کا مال

خریدنے کے لیے بڑھ چڑھ کر بولیاں لگا رہے تھے، ان کا مال خریدنے کے لیے آپس میں لڑ جھگڑ رہے تھے۔

بات ان کی سمجھ میں نہ آ رہی تھی۔ ان کا مال ابو طالب کے مال سے کسی طرح بھی گھٹیا نہ تھا، پھر یہ سب، یہ سب کیا تھا۔ قریشی تاجر ابو طالب کے مال کے خریدار کو رشک و حسد کی نگاہ سے دیکھتے۔

محمد ﷺ چچا کے ساتھ سامان کی نمائش میں نہایت سرگرم تھے۔ وہ خریداری کے جوڑ توڑ ہوتے دیکھ رہے تھے۔ گاہکوں کی باتوں کو غور سے سن رہے تھے، بھاؤ تاؤ کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لے رہے تھے۔ وہ ان مشاہدات کو اپنے حافظہ کی تختی پر محفوظ کر رہے تھے طرح طرح کے انسانی چہرے، بھاؤ تاؤ کے انمول گر، معاملات کے رنگ برنگے مختلف پہلو سب ان کے سامنے تھے، اور وہ بغور ان کا مشاہدہ کر رہے تھے۔

یہ ان کا پہلا تجربہ تھا، جو کافی دلچسپ اور خوشگوار تھا۔

ابو طالب کا سارا سامان فروخت ہو چکا تھا۔ اب وہ مکہ جانے کے لیے مال تجارت کی خریداری میں مصروف تھے، یہاں سے انہیں مکہ میں فروخت کے لیے سامان خریدنا تھا۔ دوسری طرف کاروانِ قریش کے تجار کو اپنا مال فروخت کرنے میں کئی دن لگ گئے، اور انہیں منافع بھی ابو طالب کے مقابلے میں کم ہوا تھا، ان کے چہرے پژمردہ تھے۔ اس بار قدرت ابو طالب پر کچھ زیادہ ہی مہربان تھی۔

محمد ﷺ نے اپنا مال فروخت کرنے کے بہت سے گر سیکھ لیے تھے، گاہکوں سے نپٹنا اب انہیں آسان نظر آ رہا تھا۔ صبر و تحمل کی اہمیت کا انہیں بخوبی اندازہ ہو گیا تھا۔ یہ تربیت قدرت کی طرف سے تھی۔ اس سفر میں انہوں نے صبر و تحمل کا جو سبق سیکھا تھا، وہ ان کے لیے کل جب انہیں بار نبوت کو اپنے کندھوں پر اٹھانا تھا، ایک سنگ میل ثابت ہونا تھا، انہیں صبر و تحمل، عفو و درگزر سے کام لینا تھا۔

جس طرح علم و بردباری سے انہوں نے گاہکوں سے نمٹنا سیکھا تھا، بالکل اسی طرح کل کو جب نبوت کا تاج ان کے سر پر سجنا تھا، انہوں نے اس حلم و بردباری سے اللہ کے پیغام کو عام کرنا تھا، منکرین کی تیز و تند باتوں کو برداشت کرنا تھا، اذیتوں کے دکھ سہنے تھے، کفر و شرک کے تاجروں سے ٹکرانا تھا، غرور و تکبر کے پتلوں سے نمٹنا تھا۔

تجارت کرنا انہیں بکریاں چرانے سے زیادہ دلچسپ مشغلہ نظر آیا۔ انہوں نے پختہ ارادہ کیا:

"اب میں تجارت میں اپنے چچا کا ہاتھ بٹاؤں گا۔"

ابو طالب خریداری مکمل کر چکے تھے۔ اب وہ روانگی کا قصد کیے ہوئے تھے۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خریداری کے اسرار و رموز بھی بخوبی سیکھ لیے تھے۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چچا کے ساتھ سامان باندھ رہے تھے۔ ایک بوڑھا تاجر انہیں اس قدر مستعدی اور فعال انداز میں کام کرتے دیکھ کر ان کے پاس آیا، اس نے ابو طالب سے پوچھا:

"کیا یہ نوجوان آپ کا بیٹا ہے؟"

ابو طالب نے مختصر سا جواب دیا:

"ہاں۔"

اب بوڑھے تاجر نے کہا:

"تم بہت خوش قسمت ہو، اس بچے کی پیشانی پر تدبر اور معاملہ فہمی کے آثار ہویدا ہیں۔ اس کے چہرے میں بلا کی دلکشی اور آنکھوں میں غضب کی کشش ہے۔

اس قد و قامت اور اس سن کے بچے میں عجیب مقناطیسی قوت ہے۔

سنجیدگی اور زبان و بیان کی شیرینی صاف صاف بتا رہی ہے کہ یہ

لڑکا غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک ہے، اور یہ ایک نہ ایک دن
ستارہ بن کے چمکے گا۔ تم اس کی حفاظت کرو۔ میں تم سے سچ کہہ رہا
ہوں۔ میں نے یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کیے۔ میں نے
قیصر و کسریٰ کے درباروں میں گلفام شہزادوں کو دیکھا ہے، مگر
تمہارا یہ لاڈلا امی ہونے کے باوجود فہم و فراست میں یکتا و تنہا ہے۔"
پھر بوڑھے تاجر نے محمد ﷺ کا ہاتھ چومتے ہوئے کہا:
"جیتے رہو میرے بیٹے۔"

کاروانِ قریش شام کے مختلف شہروں میں خرید و فروخت کرنے کے بعد مکہ کی طرف محو خرام تھا۔ ابو طالب مطمئن تھے، اس بار انہیں توقع سے زیادہ منافع ہوا تھا۔ ان کے چہرے پر شادابی تھی، جبکہ ان کے ساتھیوں کے چہرے بجھے بجھے سے تھے۔

قافلہ اپنی رفتار سے مکہ کی طرف محو سفر تھا۔ محمد ﷺ نے اس سفر میں تجربات کی جنس گرانمایہ کا وافر خزانہ سمیٹ لیا تھا۔ اب واپسی پر رہ گزر کا چپہ چپہ پہلے سے کہیں زیادہ پرکشش معلوم ہو رہا تھا۔

مکہ میں دن ڈھلے قافلے کی آمد کی اطلاع پہنچ گئی۔ ایک غلغلہ سا مچ گیا۔ لوگ اپنے عزیز و اقارب کے استقبال کے لیے فرودگاہ کی طرف چل رہے تھے، بنو ہاشم کے گھرانے سے عباس، حمزہ اور طالب آرہے تھے۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا جنہوں نے حضور ﷺ کو ماں بن کر پالا اور جنہیں حضور ﷺ نے متعدد بار امی کہہ کر پکارا، وہ بھی والہانہ انداز میں چلی آرہی تھیں۔ انہیں محمد ﷺ کی جدائی گوارہ نہ تھی۔ یہ دن انہوں نے آنکھوں میں کاٹے، آج ان کا محمد ﷺ آرہا تھا۔ وہ ان کے استقبال کے لیے کیوں نہ آتیں۔

اتنے میں قافلہ گھاٹی سے نمودار ہوا۔ لوگ ناچتے ہوئے قافلے کی طرف بڑھے۔ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی نگاہیں محمد ﷺ کو ڈھونڈنے لگیں۔ وہ اپنی آنکھوں کی

ٹھنڈک اور دل کے سکون محمد ﷺ کو بے تابی سے تلاش کر رہی تھیں انہیں جگر گوشہ عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بے پناہ پیار تھا، انہوں نے آمنہ رضی اللہ عنہا کے لعل کو بے پناہ لوریاں دی تھیں اور اپنی بانہوں میں جھولا جھلایا تھا۔ انہیں گودوں کھلایا تھا۔ ان کی خدمت و پرورش کی تھی۔ اچانک ان کی نظر محمد ﷺ پر پڑی۔ سانسوں کی رفتار بے ربط ہو کر تیز ہو گئی۔ مسرت کی لہریں ان کے پورے جسم میں پھیل گئیں۔

وہ اپنے محمد ﷺ کی بلائیں لینے لگیں۔ ان کا دل چاہا کہ ان کے پر لگ جائیں اور وہ اڑ کر اپنے بیٹے کے پاس اپنے محمد ﷺ کے پاس جا پہنچیں۔

قافلہ فرودگاہ میں داخل ہو رہا تھا، بلبلاتے ہوئے اونٹوں کو بٹھایا جا رہا تھا۔ ہر طرف آوازیں ہی آوازیں آ رہی تھیں۔ آقا اپنے غلاموں کو چیخ چیخ کر حکم دے رہے تھے، لوگ مستعدی سے اونٹوں سے سامان اتار رہے تھے تاکہ غروب آفتاب سے پہلے پہلے اپنے ٹھکانوں پر پہنچ جائیں۔

❀❀❀

چچا کے ساتھ عازمِ سفر

محمد ﷺ کی عمر مبارک جب تیرہ سال یا اس سے زیادہ ہوئی تو اپنے چچا زبیر بن عبدالمطلب کے ساتھ عازم سفر ہوئے، دورانِ سفر ایک وادی سے گزر ہوا تو وہاں ایک مست اونٹ تھا، جو راہ روکے ہوئے تھا۔ وہاں سے کسی کو گزرنے نہ دیتا تھا۔ لوگ اس اونٹ سے دہشت زدہ ہو جاتے تھے، اور وہاں سے گزرنے کا ارادہ ترک کر دیتے تھے۔

جب اس قافلہ نے اپنے راستے میں ایک بدمست اونٹ کو کھڑا دیکھتا تو وہیں رک گیا۔ اونٹ اپنی جگہ سے ہلنے کا نام تک نہ لے رہا تھا، اور ان کا راستہ روکے کھڑا رہا۔ لوگوں نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح اونٹ وہاں سے ہٹ جائے، انہیں راستہ دے دے، اور یہ قافلہ بخیر و عافیت وہاں سے گزر جائے، مگر انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

لوگ تھک ہار کر خاموش ہو رہے تھے۔ پھر قافلے نے واپسی کا ارادہ کیا۔ جب تمام لوگ مجبور ہو گئے تو محمد ﷺ نے فرمایا:

"میں اس معاملہ میں تمہاری کفایت و حمایت اور نگرانی کروں گا۔"

اب محمد ﷺ اس قافلے کے آگے ہو لیے، جب اس اونٹ نے حضور ﷺ کو دیکھا تو بیٹھ گیا، اور اپنے سینہ کو زمین پر رگڑنے لگا۔ آپ ﷺ اپنے اونٹ سے اترے اور اس بدمست اونٹ پر سوار ہو گئے، اس اونٹ نے کوئی حرکت نہ کی۔ پھر وہ اونٹ اٹھ کھڑا ہوا اور چلنا شروع کر دیا۔

قافلہ اس اونٹ کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گیا۔ جب اس وادی کو عبور کر لیا، تو

حضور ﷺ اس مست اونٹ سے اتر کر اپنے اونٹ پر سوار ہو گئے، اور اس اونٹ کو رخصت کر دیا۔

جب سفر سے واپس ہوئے تو راہ میں پانی سے لبالب بہتی وادی پر گزر ہوا، جس کی موجیں دل لرزا دینے والی تھیں، سب سہم کر کھڑے ہو گئے۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

"میرے پیچھے چلتے آؤ۔"

یہ کہہ کر آپ ﷺ نے اس پانی پر قدم رکھا تو وہ خشک ہو گیا۔ سارا قافلہ خشک راہ پر چل پڑا، اور وادی سے صحیح سلامت گزر گیا۔ ان کے گزرنے کے بعد وہ پانی پھر اسی طرح موجزن ہو گیا۔

جب مکہ مکرمہ پہنچے تو ہمراہیوں نے لوگوں کو دورانِ سفر کے واقعات و کمالات اور خوارق عادات واقعات بیان کیے تو سب نے کہا:

"اس جوان کی شان نرالی ہے۔"

❀❀❀

یمن اور بحرین کے تجارتی سفر

روایات میں آتا ہے:

"جب حضور ﷺ کی عمر مبارک سترہ سال کی ہوئی تو ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ کے چچا زبیر بن عبدالمطلب اور ایک روایت کے مطابق عباس بن عبدالمطلب نے تجارت کی غرض سے یمن کے سفر کا ارادہ کیا۔"

کاروباری سفر کے بارے میں حضور ﷺ کے چچا کا ارادہ پختہ ہوا تو وہ اپنے بھائی ابوطالب کے پاس آئے اور ان سے درخواست کی:

"محمد (ﷺ) کو اس سفر میں ہمارے ساتھ بھیج دیں، کہ اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے ہمیں بہت زیادہ فائدہ پہنچائے۔"

یہ وہ وقت تھا جب حضور ﷺ کی دیانت و فطانت کی دھاک سب پر بیٹھ چکی تھی۔ آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی برکات اور عنایات کا بھی چرچا عام تھا۔ اسی لیے یمن جانے والے چچا کو پختہ یقین تھا کہ آپ ﷺ کی شمولیت سے ان کی تجارت خوب چمکے گی۔

ابوطالب نے بھائی کی درخواست قبول کر لی، اور حضور ﷺ کو ان کے ہمراہ تجارتی سفر پر جانے کی اجازت دے دی، یوں حضور ﷺ اپنے چچا کے ہمراہ یمن کے سفر پر تشریف لے گئے آپ ﷺ بے حد خوش تھے۔

دوران سفر بھی آپ ﷺ کے چچا نے آپ ﷺ سے متعلق متعدد غیر معمولی مشاہدات کیے۔ جن سے انہیں حضور ﷺ کے تقویٰ و طہارت اور فہم و فراست کا خاصا اندازہ ہو گیا۔ یمن کا یہ تجارتی سفر بہت کامیاب رہا، اور چچا بھتیجا دونوں بخیریت واپس مکہ لوٹے۔

حضور ﷺ کو اب تجارت کا خاصا تجربہ ہو چکا تھا، آگے چل کر آپ ﷺ کو اپنی معاشی زندگی کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لیے اسے ہی ذریعۂ روزگار چننا تھا۔

یمن کے اس سفر کے علاوہ آپ ﷺ کو چند ایک بار اور بھی ادھر جانے کا اتفاق ہوا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی آپ ﷺ کو تجارت کے لیے دو مرتبہ یمن بھیجا۔

دونوں بار آپ ﷺ یمن کے مقام جرش تشریف لے گئے، یمن کے یہ دونوں سفر بے حد کامیاب رہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ہر بار تضاد اونٹ آپ ﷺ کو بطور معاوضہ پیش کیا۔

احادیث نبوی ﷺ سے یہ بات ثابت ہے کہ حضور ﷺ تجارت کے سلسلہ میں مغرب میں بحرین تک بھی تشریف لے گئے تھے۔ ان دنوں وہاں ایران کا فرمانروا منذر بن ساوی حکمران تھا۔

اس قسم کے تجارتی سفروں سے مختلف خطوں کے لوگوں سے آپ ﷺ کا کاروباری لین دین اور عمومی میل جول ہوتا رہا۔ آپ ﷺ وہاں کی معاشرت سے آگہی حاصل کرتے رہے، اور تجارتی اسرار و رموز مزید پختہ ہوتے چلے گئے۔

بعد کی نبوی زندگی میں بھی آپ ﷺ کے تاجر ساتھی آپ ﷺ کو نظر آجاتے تو آپ ﷺ ان سے انتہائی خندہ پیشانی سے ملتے، اور ان سے مل کر تجارت اور رفاقت کے گزرے دنوں کی یادوں کو تازہ کرتے۔

شام کا تیسرا سفر

شہر کی گنجان آبادی میں زیادہ تر تاجر اور امراء سکونت پذیر تھے۔ ان کے مکانات دوسروں سے عمدہ، خوبصورت اور کشادہ تھے۔ دولت کی ریل پیل تھی، اس لیے لونڈی اور غلاموں کی بھی کثرت تھی۔ اسی آبادی میں ایک بلند و بالا حویلی سب سے بڑھ کر اپنی الگ ہی شان دکھا رہی تھی۔

یہ حویلی مکہ کی سب سے مالدار خاتون خدیجہ بن خویلد رضی اللہ عنہا کی تھی۔ حضرت خدیجہ بن خویلد (رضی اللہ عنہا) کے ہاں دولت کی فراوانی تھی، اس حویلی کے اندر گھوڑوں کے لیے اصطبل اور اونٹوں کے لیے شتر خانے تھے۔ جن میں لا تعداد اونٹ، گدھے اور گھوڑے موجود تھے۔ اسی حویلی میں لاتعداد گودام تھے۔ جو اجناس سے بھرے ہوئے تھے۔

حویلی میں ہر طرف گہما گہمی تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال تجارت مختلف قافلوں کی صورت میں جاتا، اور ڈھیروں منافع کما کر واپس آتا۔ دولت کی اس کثرت کے باوجود ان کی زندگی تنہا تھی۔ یکے بعد دیگرے ان کے دو خاوند انہیں داغ مفارقت دے چکے تھے۔

خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا ایک کامیاب تاجرہ ہونے کے ساتھ ساتھ مکارم اخلاق کا پیکر جمیل تھیں۔ عفت و پاکدامنی کے باعث اس عہد جاہلیت میں بھی "طاہرہ" کے لقب سے پکاری جاتی تھیں۔ رحمدلی، غریب پروری اور سخاوت آپ کی امتیازی

خصوصیات تھیں۔ اہل مکہ کے تجارتی وفد میں آپ کا مال تجارت آپ کے ملازموں اور نمائندوں کی سپردگی میں بیرون ملک جاتا رہتا۔

اس بار شام کے لیے آپ کے قافلہ تجارت کی تیاری شروع ہوئی، انہوں نے اپنے غلام میسرہ کو بلوا بھیجا، اس وقت وہ آپ کے حضور مؤدب کھڑا تھا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے میسرہ سے پوچھا:

"شام کی طرف جانے والا قافلہ کب روانہ ہوگا؟"

میسرہ نے جواب دیا:

"مالکن حضور، ہفتہ عشرہ تک روانہ ہو جائے گا۔"

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا:

"تم نے سامان تجارت فراہم کر لیا ہے؟"

میسرہ انتہائی وفادار غلام تھا، اس نے کہا:

"مالکن آپ فکر نہ کریں، میں نے ساری تیاریاں مکمل کر لی ہیں، یہاں سے جو مال شام جائے گا وہ بھی تیار ہے، اور شام میں جس مال کی خریداری کرنا ہے، میں نے اس کی فہرست بنا رکھی ہے، بس قافلہ روانہ ہونے کی دیر ہے۔"

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے میسرہ کی طرف دیکھتے ہوئے کچھ سوچتے ہوئے کہا:

"میسرہ میرا خیال ہے اس بار تمہارے ساتھ کسی نمائندے کو بھیجوں، تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟"

میسرہ تو اپنی مالکن کا وفادار تھا، اس نے جواب دیا:

"جیسے آپ کی مرضی۔"

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

''میں کافی عرصہ سے ابوطالب کے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے متعلق سن رہی ہوں، اس کی دیانت اور امانت کا شہرہ دور دور تک پہنچ چکا ہے۔ لوگ انہیں صادق اور امین کے لقب سے پکارتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ بہتر رہے گا۔''

میسرہ نے کہا:

''مالکن آپ درست کہہ رہی ہیں۔ وہ ایک کامیاب تاجر ہیں، ہمیشہ سچی اور کھری بات کہنے کے عادی ہیں، اور انہوں نے منافع بھی ہمیشہ دوسروں سے زیادہ کمایا ہے، ان کی شیریں گفتاری اور اعلیٰ اخلاق کے سبب لوگ ان کے گرویدہ ہیں۔''

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

''میں چاہتی ہوں اس بار انہیں مال تجارت دے کر تمہارے ساتھ ملک شام روانہ کروں، تم کیا مشورہ دیتے ہو؟''

''میسرہ بھی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گرویدہ تھا، فوراً بول اٹھا:

''میں آپ کی بات سے اتفاق کرتا ہوں، ہمیں ایسے ہی امانتدار اور دیانتدار شخص کی ضرورت تھی، اب ہمیں اس معاملے میں تاخیر سے کام نہیں لینا چاہیے۔''

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

''تم جاؤ اور انہیں میرا پیغام پہنچا دو، اگر وہ رضامند ہو جائیں تو انہیں میرے پاس لے آؤ تاکہ اس سلسلہ میں بات پکی کر لی جائے۔''

میسرہ سر ہلاتے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بنی مخزوم کی معزز فرد اور تاجرہ تھیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نکاح عتیق بن عائذ بن عبداللہ مخزومی سے ہوا، لیکن عتیق جلد ہی راہی ملک عدم ہوئے، اس پاکباز خاتون کے لیے بڑے بڑے سرداروں نے شادی کی درخواست کی، لیکن آپ کے والد خویلد بن اسد نے بنی تمیم کے ایک شریف نوجوان ابو ہالہ بن زراہ سے آپ کا بیاہ کر دیا، جن سے ہالہ، حارث اور ہند تین بیٹے پیدا ہوئے، لیکن ابو ہالہ بھی جلد ہی داغ مفارقت دے گئے اور یہ معزز خاتون دوبارہ بیوہ ہوگئیں۔ ابھی وہ اس صدمہ سے سنبھل بھی نہ پائی تھیں کہ آپ کے والد بھی انتقال کر گئے، اور وہ دوہرے غم میں مبتلا ہوگئیں۔

رفیق حیات کی موت کا غم کیا کم تھا کہ یہ پاکباز خاتون اس کو بھلا دیتی لیکن باپ کی موت نے اس زخم کو اور گہرا کر دیا۔ اس لیے طبیعت پر سنجیدگی چھاگئی، اس لیے باوجود اچھی صحت اور مناسب عمر ہونے کے انہوں نے شادی کے ہر پیغام کو ٹھکرا دیا، اور اپنی توجہ شادی کی بجائے، بیواؤں، یتیموں اور محتاجوں کی دستگیری کی طرف مبذول کر دی، ان کی پاکدامنی اور شفقت کی وجہ سے لوگ انہیں طاہرہ کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ وہ اپنا مال تجارت میں لگاتیں۔ اس سے جو منافع ہوتا وہ اس منافع کا بیشتر حصہ مساکین کی امداد پر خرچ کر دیتیں۔

میسرہ ان کا وفادار اور زیرک غلام تھا، جو تجارت کرنے والے ملازمین اور نمائندوں کی نگرانی کرتا۔

محمد ﷺ بھی مال تجارت شام لے کر جایا کرتے تھے، کبھی وہ یمن کا چکر

لگاتے۔ وہ بھی اپنے منافع کا زیادہ حصہ غربا، مساکین، بیواؤں اور یتیموں پر خرچ کرتے، آپ ﷺ کی امانت اور دیانت کا شہرہ اس پاکباز خاتون نے بھی بارسنا تھا،

- اور اب ان کا ارادہ تھا کہ آپ ﷺ ان کا مال تجارت لے کر شام جائیں، اسی لیے انہوں نے مشورہ کے لیے میسرہ کو طلب کیا تھا۔

خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنی کنیزوں سے بات چیت میں مصروف تھیں کہ میسرہ نے محمد ﷺ کی آمد کی اطلاع دی۔ آپ ﷺ کو اندر بلایا گیا۔ جب آپ ﷺ تشریف لائے تو خدیجہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا، ایک باوقار اور خوبصورت نوجوان نہایت صاف ستھرے لباس میں ملبوس آرہا ہے۔ چہرے پر متانت وسنجیدگی تھی، پیشانی سے ایک نور ہویدا ہو رہا تھا۔ چال میں وقار تھی، چہرے پر حیا کے آثار تھے۔

محمد ﷺ نے سلام کے بعد گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا:

''آپ نے مجھے یاد کیا ہے۔''

خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

''ہاں! میں چاہتی ہوں کہ آپ (ﷺ) میرا مال تجارت لے کر ملک شام جائیں، اور وہاں سے ضروری سامان خرید کر مکہ آئیں۔ آپ (ﷺ) کو اس کا معقول معاوضہ دیا جائے گا، اور معاوضہ بھی دوسروں سے زیادہ ملے گا، میں نے آپ (ﷺ) کی دیانت و امانت کا شہرہ سن رکھا ہے، مجھے عرصے سے ایسے ہی کسی شخص کی تلاش تھی، آپ (ﷺ) کی ذہانت و فطانت کے لوگ قائل ہیں اور آپ (ﷺ) کی تجارت کے اصولوں سے بھی لوگ آگاہ ہیں۔''

محمد ﷺ نے انتہائی متانت سے جواب دیا:

"مجھے منظور ہے۔ یہ میرے لیے باعث مسرت ہے کہ میں آپ جیسی خاتون کا مال تجارت لے کر جاؤں۔"

خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

"آپ (ﷺ) کے ساتھ میرا غلام میسرہ بھی رہنمائی کے لیے موجود ہوگا۔"

پھر وہ اپنے غلام میسرہ سے مخاطب ہوئیں:

"تم ان (ﷺ) کے ساتھ جاؤ گے اب تیاری شروع کر دو تاکہ قافلہ اپنے وقت پر روانہ ہو سکے، اور ہاں تم ان (ﷺ) کا خاص خیال رکھنا انہیں سفر میں کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔"

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا محمد ﷺ کی شیریں بیانی سے بے حد متاثر ہوئی تھیں۔ اس عمر میں حیا، شیرینی، شرافت، وقار، متانت، انہوں نے یہ باتیں آج تک کسی نمائندے میں نہ پائی تھیں۔ یہ نوجوان کس قدر نفاست پسند، سادہ اور فہیم تھا۔

جب حضور ﷺ کی عمر مبارک پچیس سال ہوئی تو آپ ﷺ کا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوا، اس ضمن میں روایت میں آتا ہے:

"حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد ایک شریف اور پاکباز مالدار خاتون تھیں۔ اپنا مال تجارت دے کر لوگوں کو بھیجتیں، تجارت میں شرکت بھی کر لیتیں اور شرکاء کے لیے ایک حصہ مقرر کر دیتیں، خود قریش کے لوگ بھی تجارت کیا کرتے تھے۔ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو محمد ﷺ کی سچائی، دیانت داری اور امانت داری کی خبر

ہوئی تو انہوں نے آپ ﷺ کو بلوا بھیجا اور درخواست کی:

''آپ ﷺ میرا مال تجارت لے کر میرے غلام میسرہ کے ساتھ تشریف لے جائیں۔ آپ ﷺ کو دوسرے تاجروں سے زیادہ معاوضہ دوں گی۔''

حضور ﷺ نے ابو طالب کے مشورہ سے اس بات کو قبول فرمالیا، چنانچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے غلام میسرہ اور ایک رشتہ دار خزیمہ بن حکیم کو آپ ﷺ کی خدمت کے لیے ساتھ کر دیا۔ خزیمہ کی اس سفر کے دوران حضور ﷺ سے بہت زیادہ محبت ہوگئی، وہ آپ ﷺ کو بہت دوست رکھتا تھا، اور سفر کے دوران ایک لمحہ کے لیے بھی وہ حضور ﷺ کو خود سے دور نہ رکھتا تھا۔ شام کے اس سفر تجارت میں اس نے حضور ﷺ سے بہت سی خلافِ عادات چیزیں مشاہدہ کیں۔ یہ دیکھ کر اس کی محبت میں اضافہ ہوتا گیا۔

اس دلچسپ تاریخی سفر کے پس منظر سے متعلق تین مختلف روایات موجود ہیں۔ ایک روایت تو یہ ہے:

(ا) جب ابو طالب نے سنا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنی تجارت میں معاوضہ پر شرکت کے لیے کسی معقول، محنتی، دیانتدار اور شریف تاجر کی تلاش میں ہیں، تو انہوں نے فوراً اپنے بھتیجے محمد ﷺ سے کہا:

''ہمارے پاس تو اپنے کاروبار کے لیے سرمایہ موجود نہیں ہے، اس لیے تم اس نیک تاجر خاتون سے ملو، ممکن ہے کہ ان سے تمہارا کاروباری معاملہ طے پا جائے۔''

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا کے مشورہ پر عمل کیا اور کامیاب ہو گئے۔

دوسری روایت یوں ہے:

(۲) ابوطالب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا:

''اگر تم چاہو تو میں تمہارے لیے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کاروباری بات چیت کروں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رضامند ہو گئے، ابوطالب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے اور ان سے کہا:

''آپ دوسروں کو دو اونٹوں کے معاوضہ پر اجیر مقرر کرتی ہیں، اگر آپ میرے بھتیجے کو اجرت کی شرط پر مال تجارت دے کر سفر پر بھیجنا چاہیں تو میں اس کے لیے چار اونٹوں سے کم معاوضہ پر راضی نہ ہوں گا۔''

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فوراً رضامندی ظاہر کر دی، چنانچہ ابوطالب گھر لوٹے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا:

''حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) نے رضامندی ظاہر کر دی ہے۔ یہ سلسلہ معاش ہے، جس کا بندوبست خدا نے تمہارے لیے گھر بیٹھے کر دیا ہے۔''

تیسری روایت زیادہ معروف اور مستند ہے وہ یہ ہے:

(۳) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت، دیانت اور کاروباری محاسن کا شہرہ سن رکھا تھا۔ انہوں نے خود ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلوا بھیجا اور درخواست کی:

"آپ (ﷺ) میرا مال تجارت لے کر بطور میر کارواں شام جائیں، میں دوسرے تاجروں کو جتنا معاوضہ دیتی ہوں، آپ ﷺ کو اس سے زیادہ معاوضہ دوں گی۔"

حضور ﷺ نے چچا سے صلاح ومشورہ کرنے کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی پیشکش قبول فرمالی۔"

سفر کا پروگرام طے پا گیا، سامان تجارت اونٹوں پر لاد دیا گیا، ایک عظیم میر کارواں کی قیادت میں یہ تاریخی قافلہ شام کی جانب رواں دواں ہوا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے وفادار ملازم میسرہ اور اپنے عزیز خزیمہ بن حکیم کو آپ ﷺ کے ہمراہ روانہ کر دیا۔ میسرہ ان کا ایک خاص وفادار، معتمد اور ذہین غلام تھا۔

خزیمہ بن حکیم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے قریبی عزیز تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے یہ دونوں خصوصی معتمد آپ ﷺ کی خدمت اور دیکھ بھال کے لیے قافلہ کے ساتھ بھیج دیے گئے، انہیں یہ بھی تاکید تھی:

"دوران سفر اور منزل مقصود پر پہنچ کر بھی تمام کاروباری لین دین پر کڑی نگاہ رکھیں اور مکہ واپس پہنچنے پر مکمل روداد پیش کریں۔"

ان دونوں نے سارے سفر کے دوران نگرانی اور مشاہدہ کے فرائض کمال احتیاط اور ہنر مندی سے انجام دیے۔ حضور ﷺ کے قرب سے نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں آپ ﷺ کے بلند اخلاق و کردار کے معترف ہو گئے، یہاں تک کہ انہیں حضور ﷺ سے اس قدر انس و عقیدت پیدا ہوگئی کہ وہ پل بھر بھی آپ ﷺ سے جدا نہ ہوتے تھے۔ دونوں آپ ﷺ کی دیکھ بھال اور آرام و آسائش کا ہر لمحہ خیال رکھتے تھے۔ شرکت سفر کے مختلف مراحل میں حضور ﷺ کی مسلسل رفاقت و صحبت سے انہیں آپ ﷺ سے حقیقی

محبت ہو چکی تھی۔

یہ تجارتی قافلہ اس راستے سے گزرا جس سے حضور ﷺ اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ آج سے بارہ برس پہلے گزرے تھے۔ آپ ﷺ نے ایک بار پھر وادی القریٰ، سرزمین مدین اور دیار ثمود دیکھے، ان مشہور مقامات کو ایک بار پھر ان کے تاریخی تناظر میں دیکھنے سے آپ ﷺ کے دل و دماغ کی اتھاہ گہرائیوں میں دبے ہوئے خیالات کے وہ تمام نقوش ابھر آئے جو پہلے سفر میں آپ ﷺ کے سامنے آئے تھے۔

آپ ﷺ کو مختلف مذاہب اور مسالک کے لوگوں سے ملنے جلنے کا مزید اتفاق ہوا۔ ان لوگوں سے مذہب، زندگی، روحانیت، عبادت اور آخرت ایسے موضوعات پر بحث و مباحثہ ہوتے رہے۔ ان مذاکرت میں آپ ﷺ نے دوسروں کی باتیں غور سے سننے کے ساتھ ساتھ اپنے موقف بھی کھل کر پیش کیے، ایسے مشاہدات، تجربات، مذاکرات اور مباحث بھی آپ ﷺ کے لیے بے حد مسرت اور طمانیت کا ساماں فراہم کرتے رہے۔ ان سے میسرہ، خزیمہ اور کارواں کے دیگر شرکاء بھی خوب محظوظ و مستفید ہوئے۔

شام کے اس تاریخی سفر کے واقعات بھی بے حد دلچسپ اور خیال افروز ہیں۔

راستے میں ایک جگہ قافلے کے دو اونٹ بہت زیاد تھک کر بدحال ہو گئے اور سفر کرنے سے عاجز آ گئے، ان اونٹوں کی حالت اس قدر خراب تھی کہ وہ سفر کرنے کے قابل نہ تھے۔ میسرہ نے اس بات کی اطلاع حضور ﷺ کو دی۔ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک اونٹوں کے منہ پر رکھے اور ان کے لیے دعا فرمائی۔

دیکھتے ہی دیکھتے ان دونوں اونٹوں میں اس قدر ہمت اور چستی آ گئی کہ وہ قافلے کے باقی اونٹوں سے تیز ہو گئے اور آگے آگے چلنے لگے۔ تمام کارواں یہ دیکھ کر

ششدر رہ گیا۔

خزیمہ اور میسرہ کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی، انہوں نے اسے حضور ﷺ کی برکت سمجھا اور آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے:

"محمد (ﷺ) کی شان بڑی اونچی ہے۔"

خزیمہ اور میسرہ نے یہ بھی مشاہدہ کیا کہ جب دوپہر کے وقت دھوپ تیز ہو جاتی اور حدت بڑھ جاتی تو دو فرشتے آپ ﷺ پر سایہ کرتے چلے جاتے، اور یوں آپ ﷺ ان کی چھاؤں میں دھوپ سے بالکل محفوظ رہتے۔

اس طرح ایک اور معجزہ بھی اس سفر میں دیکھنے میں آیا۔

آپ ﷺ تھوڑے سے کھانے کو اپنے دست مبارک سے چھوتے تو اس میں اللہ تعالیٰ بڑی برکت نازل فرما دیتے، اور وہ کھانا کئی لوگوں کے لیے کفایت کرتا۔

قافلہ چلتا ہوا بصریٰ اور شام کی سرحد پر پہنچا، اس نے بحیرہ راہب کے کلیسا کے قریب قیام کیا، درخت کے نیچے ڈیرے ڈال دیے۔ جہاں حضور ﷺ پہلے شامی سفر میں اترے تھے۔

بحیرا راہب کا انتقال ہو چکا تھا، اور اس کی جگہ اس کا نائب نسطورا کام کر رہا تھا۔

آپ ﷺ کلیسا کے سامنے پرانے درخت کے نیچے اترے، یہ سرسبز و شاداب درخت اب بالکل سوکھا ہوا تھا۔ جونہی آپ ﷺ اس درخت کے نیچے آئے، وہ درخت سرسبز و شاداب ہو گیا، اس پر پھل لگ گئے، اس درخت کے گرداگرد زمین پر بھی سبزہ اگ آیا تھا۔

نسطورا راہب کلیسا کی چھت پر بیٹھا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ وہ یہ دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا، وہ بھاگتا ہوا حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور کہنے لگا:

"میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو لات وعزیٰ کی قسم دیتا ہوں، بتائیے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا نام کیا ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"دور ہٹو مجھ سے! کیونکہ عربوں کی گفتگو میں مجھ پر یہی بات سب سے زیادہ مکروہ اور ناگوار ہے۔"

نسطورا اپنے ہاتھ میں ایک مقدس کتاب تھامے ہوئے تھا۔ وہ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دیکھتا اور کبھی کتاب کی طرف۔

وہ کہتا جاتا تھا:

"قسم ہے اس خدا کی! جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل فرمائی، یہ وہی نبی آخر الزماں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں جن کی بشارت کتب مقدسہ میں موجود ہے۔"

خزیمہ بن حکیم یہ سب باتیں بڑے غور سے سن رہا تھا۔ اس نے سمجھا کہ شاید یہ راہب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کوئی مکر کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ اس نے تلوار کھینچ لی، اور قافلے میں موجود لوگوں کو آواز دے کر پکارا۔

قافلے میں موجود قریش خزیمہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے پوچھا:

"اے خزیمہ! کیا بات ہے؟"

خزیمہ نے راہب کی شکایت کی، اس پر تمام اہل قافلہ راہب کی طرف لپکا، راہب نسطورا ڈر کر کلیسا میں آگیا، اور اندر سے دروازہ بند کر لیا، پھر کلیسا کی چھت پر چڑھا اور پکار کر کہنے لگا:

"اے قافلے والو! کیوں مجھ سے ڈرتے ہو، خدا کی قسم میرے

نزدیک کوئی قافلہ تم سے زیادہ پیارا اس جگہ پر نہیں اترا، اور میں
اس مقدس کتاب میں اسی طرح لکھا ہوا دیکھتا ہوں کہ جس شخص
نے اس درخت کے نیچے قیام کیا ہے، وہ اللہ کا رسول اور خاتم
الانبیاء (ﷺ) ہے، جو شخص اس کی فرمانبرداری کرے گا
نجات پائے گا اور جو شخص آپ ﷺ سے دشمنی کرے گا وہ ہلاکت
میں پڑے گا۔"

یہ باتیں کر کے نسطورا راہب نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کو آواز دے
کر قریب بلایا اور ان سے پوچھا:
"تجھے ان سے کس قسم کی نسبت ہے۔"
حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:
"میں ان (ﷺ) کا خدمت گار ہوں۔"

پھر حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے اونٹوں کا عاجز رہ جانا، اور حضور ﷺ کے دست
مبارک چھونے کی برکت سے قوت حاصل کرنا بتایا تو راہب نے کہا:
"اے خزیمہ (رضی اللہ عنہ)! میں ایک راز تیرے سپرد کرتا ہوں، مجھے
امید ہے کہ تم اسے پوشیدہ رکھو گے۔"
حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے کہا:
"مجھے قبول ہے۔"
اس پر نسطورا نے کہا:
"اس مقدس کتاب میں اس طرح لکھا ہوا ہے کہ یہ شخص تمام
شہروں پر قبضہ حاصل کر لے گا، اور تمام لوگوں پر فتح حاصل کرے

گا،اور کوئی بھی شخص ان (ﷺ) کی بزرگی کی انتہا کو نہیں جانتا۔

اے خزیمہ (رضی اللہ عنہ)! تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ان کے بہت سے دشمن ہیں،اوران کے زیادہ تر دشمن یہودی ہیں۔"

جب حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے راہب سے یہ باتیں سنیں تو حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں آئے اور کہا:

"میں چند صفات آپ (ﷺ) میں دیکھتا ہوں، جو دوسروں میں نہیں ہیں، مجھے یقین ہے کہ جو پیغمبر (ﷺ) تہامہ میں مبعوث ہوں گے،وہ آپ (ﷺ) ہی ہیں، میں لوگوں کو آپ (ﷺ) سے عجیب محبت کرتے دیکھتا ہوں، میں بھی آپ (ﷺ) کے دوست کو دوست رکھتا ہوں،اورآپ (ﷺ) کے دشمن کو دشمن خیال کرتا ہوں، میں آپ (ﷺ) کی تصدیق کرتا ہوں اور آپ (ﷺ) کا مددگار ہوں، جب آپ (ﷺ) کا معاملہ ظاہر ہوگا تو آپ (ﷺ) کی خدمت اقدس میں حاضری دوں گا۔"

روایت میں آتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد حضرت خزیمہ بن حکیم رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اوراسلام قبول کیا۔

اسی طرح نسطورا راہب نے میسرہ غلام کو بھی بلایا،اوراس سے بھی حضور ﷺ کی بعض نشانیاں پوچھیں،اورایک ایک سوال کا ان سے جواب سنا۔

میسرہ نے راہب کو بہت سی باتیں بتائیں، جو اس سفر کے دوران اس نے مشاہدہ کی تھیں۔مثلاً پرندوں کا آپ ﷺ کے سر مبارک پر سایہ فگن ہونا،اورآپ ﷺ

کے دست مبارک کی برکت سے کھانے میں برکت ہونا۔

یہ سن کر نسطورا راہب نے کہا:

''میں بڑی مدت سے ان (ﷺ) کے انتظار میں یہاں پر وقت گزار رہا ہوں۔ اب اے میسرہ! تجھے وصیت کرتا ہوں کہ ان سے جدا نہ ہونا، اور اس سفر میں ان کے ساتھ رہنا، اور شام مت جانا کیونکہ وہاں پر ان (ﷺ) کے دشمن بہت زیادہ ہیں۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ نبی آخر الزماں (ﷺ) ہیں کاش کہ میں ان (ﷺ) کے زمانہ بعثت کے وقت زندہ رہوں، اور ان (ﷺ) کی اطاعت کروں۔''

اسی سفر کے دوران ایک مرتبہ حضور ﷺ ایک یہودی سے معاملہ کرنے لگے، اس معاملہ میں بحث شروع ہوگئی، یہودی کہنے لگا:

''میں تجھے لات و عزیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ تیری سچائی کا علم ہو جائے۔''

حضور ﷺ نے فرمایا:

''میں ہرگز لات و عزیٰ کی قسم نہیں کھاؤں گا، کیونکہ میں ان سے زیادہ کسی اور کو دشمن نہیں سمجھتا، جب میں ان کے پاس سے گزرتا ہوں تو اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہوں۔''

یہودی نے کہا:

''تمہاری بات ٹھیک ہی ہے۔''

اس کے بعد اس یہودی نے میسرہ سے علیحدگی میں کہا:

''اے میسرہ! خدا کی قسم! تمہارا یہ ساتھی آخری نبی (ﷺ) ہے۔''

میسرہ اور حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے اسی کام میں مصلحت دیکھی کہ سامان تجارت کو بصریٰ میں فروخت کر دیں، اور شام کی طرف روانگی کو موقوف کر دیں۔

چنانچہ حضور ﷺ نے اپنا مالِ تجارت بصریٰ میں فروخت کیا، اور دوسروں سے دوگنا منافع حاصل ہوا، اہل قافلہ کو بھی ان کی برکت سے خاصا فائدہ ہوا، پھر مکہ مکرمہ کی طرف واپسی کا سفر شروع ہوگیا۔

میسرہ آپ ﷺ کے ساتھ ہی تھا، روایات میں آتا ہے:

"جب دوپہر کا وقت ہوتا، اور گرمی شدت اختیار کر جاتی تو میسرہ دیکھا کرتا کہ دھوپ سے بچاؤ کے لیے دو فرشتے آپ ﷺ پر سایہ کیے رہتے تھے، اور آپ ﷺ اونٹ پر بیٹھے چلے جاتے تھے۔"

جب آپ ﷺ کی سواری مکہ مکرمہ میں داخل ہوئی تو دوپہر کا وقت تھا، اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنی سہیلیوں کے ہمراہ اپنے گھر کے بالا خانہ میں بیٹھی تھیں، انہوں نے دیکھا کہ حضور ﷺ کے سر مبارک پر دو فرشتے سایہ فگن ہیں۔

حضور ﷺ تجارت کے اس سفر میں بہت زیادہ منافع کما کر واپس ہوئے، اور جو مال وہاں سے خرید کر لائے، اس کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فروخت کیا تو اس سے دوگنا یا اس کے قریب ہوگیا، اس کامیاب سفر سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بہت خوش اور متاثر ہوئیں۔

❀❀❀

سفرِ شام سے واپسی

مکہ سے شام ایک ماہ کی مسافت پر ہے۔ قافلے کو گئے تقریباً اڑھائی ماہ گزر چکے تھے۔ ایک دن ڈھلے ابھی تھوڑی دیر گزری تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنی حویلی کے بالاخانہ میں آئیں، اور شام کی طرف جانے والی رہگزر کی طرف لاشعوری طور پر نظریں گاڑیں۔ انہیں دور سے ایک شتر سوار آتا دکھائی دیا۔ وہ ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگیں۔ اونٹ کی رفتار بہت تیز تھی۔ سوار نہایت مضبوطی سے اس پر جما بیٹھا تھا۔ جوں جوں سوار قریب آتا جا رہا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا شک یقین میں تبدیل ہوتا گیا۔

"اوہ! یہ تو محمد (ﷺ) ہیں ان کا چہرہ طویل سفر کے باوجود کس قدر پرسکون اور شگفتہ دکھائی دے رہا ہے۔ سفر کی تھکان کا شائبہ نہیں۔"

وہ بالاخانہ سے نیچے اتر آئیں۔ اتنے میں محمد ﷺ بھی پہنچ گئے۔ انہوں نے اونٹ کو شتر خانہ میں بٹھایا، اور ایک کنیز کے ذریعے اپنی آمد کی اطلاع اندر بھجوائی۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اس دوران خود ہی اِدھر آ پہنچیں۔

"آپ (ﷺ) آ گئے۔"

محمد ﷺ نے جواب دیا:

"ہاں، اللہ کا شکر ہے کہ قافلہ بھی بخیر و عافیت واپس آ رہا ہے۔ بس ابھی کچھ ہی دم میں پہنچنے والا ہے۔"

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کچھ دیر ستالیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھر جانے کی اجازت ہوگی۔"

یہ کہہ کر انہوں نے کنیز کو شربت لانے کو کہا۔ کچھ ہی دیر میں کنیز شربت لے کر حاضر ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دائیں ہاتھ سے کٹورا تھام کر بسم اللہ کہہ کر شربت پینا شروع کیا۔ وہ تھوڑا تھوڑا وقفہ دے کر شربت پی رہے تھے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس باوقار انداز سے بے حد متاثر ہوئیں شربت پی چکنے کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا:

"اگر آپ کہیں تو خرید و فروخت کا حساب ابھی پیش کر دوں۔"

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

"نہیں، اتنی جلدی کی کوئی بات نہیں، پہلے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے عزیزوں سے مل لیں، وہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے فراشِ راہ ہیں۔"

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشکر کے بعد اپنے گھر کی طرف چل دیے۔

سہ پہر ہونے کو تھی کہ میسرہ قافلہ لے کر پہنچ گیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لونڈی اور غلام اپنی مالکن کے حکم پر قافلہ کے استقبال کے لیے کھلے میدان میں جمع ہو گئے، اونٹوں کی ایک قطار قافلہ سے جدا ہو کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حویلی کی طرف آ رہی تھی۔ ان پر سامان لدا ہوا تھا سامنے والے اونٹ پر میسرہ سوار تھا۔ اونٹوں کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حویلی کے سامنے بٹھا دیا گیا، لونڈی اور غلام اونٹوں سے سامان اتار کر گوداموں میں تہ در تہ لگانے لگے۔

غروب آفتاب سے پہلے پہلے تمام سامان گوداموں میں منتقل کر دیا گیا۔ اور اونٹ شتر خانہ میں داخل کر دیے گئے۔

شام گہری ہو چکی تھی، گھر پہنچ کر میسرہ کی تھکن بھی شگفتگی میں بدل چکی تھی۔ اب وہ چاق و چوبند دکھائی دے رہا تھا۔ وہ ستانے اور کھانے سے فارغ ہو کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور مودبانہ سلام عرض کرنے کے بعد کہنے لگا:

''مالکن مبارک ہو، قافلہ بخیر و عافیت پہنچ چکا ہے۔''

یہ کہہ کر میسرہ چٹائی پر بیٹھ گیا۔

پھر میسرہ کہنے لگا:

''مالکن مجھے مدتوں سے آپ کی خدمت کا شرف حاصل ہے، اور اس عرصہ میں طرح طرح کے گماشتوں، ملازموں اور تجار، گاہکوں اور انسانوں سے واسطہ پڑا ہے، میں نے اس سفر میں عجیب و غریب مشاہدات کا لطف اٹھایا ہے گوناگوں تجربات اپنے دامن میں سمیٹے ہیں۔ فیوض و برکات کے نظارے دیکھے ہیں۔ میں نے محمد (ﷺ) کی رفاقت میں جو کچھ دیکھا ہے، وہ بہت ہی عجیب تر ہے، میں نے محمد (ﷺ) کو سفر میں بے حد پرسکون دیکھا ہے، تھکن کے آثار ان (ﷺ) کے چہرے پر کبھی ہویدا نہیں ہوئے۔ ہمیشہ ان (ﷺ) کے چہرے پر ایک شگفتگی دیکھی ہے۔ ایک وقار دیکھا ہے، ایک جلال دیکھا ہے۔ وہ (ﷺ) حزن و ملال سے مبرا ہیں، ان (ﷺ) کا دل اندوہ و فکر سے پاک ہے، انہوں (ﷺ) نے گاہکوں کے جھمگٹوں میں ہمیشہ حلم و بردباری کا ثبوت دیا ہے۔ ان (ﷺ) کی خاموشی میں وقار اور گفتگو میں دلکشی ہے۔ ان (ﷺ) کی باتیں شیریں کی

طرح ہیں جو دل میں اتر جاتی ہیں، بات کرتے ہیں تو اک لطف کا
احساس ہوتا ہے۔ میں نے سفر و حضر میں لوگوں کو مذاق کرتے
دیکھا ہے، قہقہے لگاتے دیکھا ہے مگر محمد (ﷺ) کو ہمیشہ خاموش
اور پرسکون دیکھا ہے۔ انہوں (ﷺ) نے اپنے لبوں سے
کبھی کوئی فضول بات نہیں نکالی۔ ہمیشہ بروقت و برمحل گفتگو کی ہے
وہ فہم و فراست کے پیکر ہیں۔ لوگ ان (ﷺ) کو صادق امین
کے نام سے پکارتے ہیں۔
میں نے ستاروں کو ان (ﷺ) کی دید کا مشتاق پایا ہے، چاند کو
ان (ﷺ) کے لیے بے قرار دیکھا ہے، وہ (ﷺ) جس اونٹ
پر سوار ہوتے ہیں، اس کی رفتار بڑھ جاتی ہے۔ جو سودا کرتے ہیں
اس میں دوسروں سے زیادہ منافع ہوتا ہے، ان (ﷺ) کے
اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، سونے اور جاگنے میں ایک وقار ہے۔ ایسی
بات میں نے کسی اور میں نہیں دیکھی، ان (ﷺ) کی تدبیر میں
پہاڑوں کی رفعت اور ان کی سوچ میں صحراؤں کی وسعت اور کردار
میں گل تر کی نفاست ہے۔ آپ اپنی تجارت آئندہ کے لیے ان
(ﷺ) کے حوالے کر دیں، کاروبار چمک اٹھے گا۔"

میسرہ یہ کہہ کر خاموش ہو گیا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بچے اور کنیزیں دم سادھے
میسرہ کی باتیں سن رہے تھے۔

اس سکوت کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے توڑا:

"محمد (ﷺ) بہت خوبیوں کے مالک ہیں، اب تم ان (ﷺ)

کے ساتھ یمن جانے کی تیاری کرو۔ نئے چاند کے پہلے عشرہ میں روانگی ہوگی۔"

میسرہ نے کہا:

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر، اگر اجازت ہو تو ایک نہایت دلچسپ واقعہ بیان کروں۔"

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بے قرار ہو گئیں اور کہہ اٹھیں:

"ہاں...... ہاں...... فوراً بیان کرو۔"

میسرہ نے کہا:

"جب ہم بصریٰ پہنچے اور ایک درخت کے سایہ تلے ٹھہرے تو اس کلیسا کے راہب نسطورا نے مجھے بلا کر پوچھا:

"یہ کون ہیں؟"

میں نے کہا:

"بنو ہاشم کے گھرانے کے ایک شریف النفس انسان ہیں۔"

نسطورا نے کہا:

"اس درخت کے نیچے نبی کے سوا کوئی نہیں ٹھہرتا۔"

"پھر اس نے مجھ سے محمد (ﷺ) کی آنکھوں کی سرخی کے بارے میں پوچھا اور جب میں نے بتایا:

"ان (ﷺ) کی آنکھوں میں سرخ ڈورے ہمیشہ موجود رہتے ہیں۔"

تو وہ بولا:

"یقیناً یہ (ﷺ) نبی آخر الزمان (ﷺ) ہیں۔"

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حیرت سے میسرہ کی باتیں سن رہی تھیں۔

دوسرے دن محمد ﷺ تشریف لائے خرید و فروخت کا حساب دیا، اور اپنا معاوضہ لے کر رخصت ہونے لگے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

"یا محمد (ﷺ)! اب آپ (ﷺ) یمن جانے کے لیے تیار رہیں۔ اگلے چاند کے پہلے عشرہ میں روانگی ہوگی۔"

❀❀❀

سفرِ شعب ابی طالب

ورقہ بن نوفل نے کہا تھا:

''اے کاش! میں اس وقت زندہ رہوں اور آپ (ﷺ) کی مدد کرسکوں جب آپ (ﷺ) کے قبیلے والے آپ (ﷺ) کے دشمن ہو جائیں گے اور آپ (ﷺ) کو جلاوطنی پر مجبور کر دیں گے۔''

اس کی پیش گوئی نے جب حقیقت کا روپ دھارا اس وقت ورقہ بن نوفل زندہ نہ تھا۔

قریش نے جب یہ دیکھا کہ حبشہ کا بادشاہ مکہ سے ہجرت کرنے والے مسلمانوں کو واپس کرنے پر آمادہ نہیں اور دوسری طرف مکہ میں محمد ﷺ کی مقبولیت دن بدن بڑھتی جارہی ہے تو انہوں نے سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ حضرت محمد ﷺ اور دوسرے مسلمانوں کو شہر بدر کر کے مکہ میں اسلام کی جڑیں ہی اکھاڑ پھینکیں۔ اس منصوبے کے تحت انہوں نے خانہ کعبہ کی دیوار پر ایک ''صحیفہ'' لٹکا دیا جس پر تحریر تھا:

''محمد (ﷺ) اور ان کے ماننے والوں کا مکمل بائیکاٹ کیا جائے اور آج کے بعد ان لوگوں کو مکہ میں رہنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا''

اس صحیفہ) فرمان) میں مندرجہ ذیل احکامات درج تھے:

''مکہ کے کسی شہری کو یہ اجازت نہیں کہ وہ کسی مسلمان) خواہ وہ عورت ہو یا مرد) سے گفتگو کرے۔''

مکہ کے کسی شہری کو اجازت نہیں کہ کسی مسلمان کے بدن کو چھوئے (یعنی اس سے مصافحہ کرے) اور اگر ایسا کرے گا تو وہ پلید ہو جائے گا۔

اہل مکہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی مسلمان کو کوئی چیز فروخت کرے یا اس سے کوئی چیز خریدے۔

مکہ کے رہنے والے نہ تو کسی مسلمان سے لڑکی لیں اور نہ انہیں لڑکی دیں۔

جو کوئی بھی مسلمانوں کا مقروض ہے تو وہ اپنا قرض ادا کرنے سے اجتناب کرے۔

اور یہ احکامات اس وقت تک باقی ہیں کہ جب تک محمد (ﷺ) اپنے دین سے توبہ نہ کرلیں یا بنو ہاشم اس کی حمایت سے دستبردار نہ ہو جائیں۔

616ء میں حضور ﷺ اور دوسرے تمام مسلمانوں کو مکہ سے نکال دیا گیا لیکن اس موقع پر بھی بنو ہاشم نے رسول اللہ ﷺ کی حمایت ترک نہ کی، اور وہ بھی دوسرے مسلمانوں کے ہمراہ مکہ سے نکل آئے' جب کہ ان میں کچھ منجملہ آپ ﷺ کے چچا مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ابوطالب کی غیرت و حمیت نے یہ گوارا نہ کیا کہ وہ اپنے بھتیجے کو بے یار و مددگار چھوڑ دیں۔ حالانکہ انہوں نے دین اسلام قبول نہ کیا تھا۔ حضور ﷺ کے قبیلے کے افراد میں صرف ابولہب ایسا شخص تھا جس نے اپنے قبیلے کا ساتھ نہ دیا جب کہ باقی افراد قبائلی تعصب اور خاندانی وفاداری کی بنا پر حضور ﷺ کے ہمراہ مکہ سے باہر نکل آئے اور شعب ابی طالب نامی گھاٹی میں جو کہ ابوطالب کی ملکیت تھی قیام پذیر ہو گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے مسلمان جب شعب ابی طالب میں پہنچے تو چونکہ مکہ سے ان کی روانگی انتہائی عجلت میں ہوئی تھی لہٰذا وہ لوگ مناسب مقدار میں خوراک اپنے ہمراہ نہ لا سکے، اور اگر ایسا کر بھی سکتے تو کھانے پینے کی چیزیں زیادہ عرصے تک ان کا ساتھ نہ دے سکتیں اور پھر قریش کے جاری کردہ فرمان میں یہ پابندی بھی عائد تھی کہ کوئی شخص بھی مسلمانوں کو نہ تو کوئی چیز فروخت کرے، اور نہ ہی ان سے کوئی چیز خریدے لہٰذا مسلمان تو مکہ سے اشیائے ضرورت خرید بھی نہیں سکتے تھے۔ دوسری طرف شعب ابی طالب بھی ایسے مقام پر واقع تھی کہ جہاں سے کوئی قافلہ نہیں گزرتا تھا کہ مسلمان ان سے ہی کھانے پینے کی چیزیں خرید سکیں۔

مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ شعب ابی طالب میں انتہائی دردناک مصائب کا مقابلہ کیا اور صرف ایک چیز جو اس بات کا سبب بنی کہ وہ بھوک کی شدت سے ہلاک نہ ہوں، یہ تھی کہ سال کے چار مہینوں میں جنہیں (ماہ حرام) کہتے تھے مسلمان شہر میں آتے اور اشیائے خورد و نوش خرید سکتے تھے۔ وہ لوگ حتیٰ کہ قربانی کی کھالیں بھی اپنے ہمراہ لے جاتے تاکہ سال کے دوسرے مہینوں میں جب کھانے پینے کی چیزیں ختم ہو جائیں تو انہیں ابال کر اپنا پیٹ بھر سکیں۔ انہی دنوں جب مسلمان شعب ابی طالب میں جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ایک دن حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بھتیجا اپنی پھوپھی کے لیے کچھ اشیائے ضرورت لے کر مکہ سے باہر نکلا کیونکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اسی گھاٹی میں قیام پذیر تھیں۔ قریش کے افراد نے جو اس بات کی نگرانی کر رہے تھے کہ مسلمانوں کو کسی طرح بھی کھانے پینے کا سامان فراہم نہ ہو سکے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے کو مکہ سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا اور انہوں نے اس کا تعاقب کیا اور پھر سارا سامان ضبط کرنے کے بعد اس پر اس قدر تشدد کیا کہ وہ بے چارا تین دن تک زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا رہا۔

شعب ابی طالب میں مسلمانوں کے پاس کوئی گھریلو سامان نہیں تھا، اور مکہ کی سب سے زیادہ مالدار خاتون حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس صرف ایک ہانڈی اور مٹی کا ٹوٹا ہوا پیالہ رہ گیا تھا۔ کچھ دنوں بعد برتن جوڑنے والا وہاں سے گزرا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ٹوٹا ہوا پیالہ اس کے حوالے کیا تاکہ وہ اسے جوڑ لگائے۔ شعب ابی طالب میں مسلسل رنج اور مسلسل بھوک کے علاوہ ایک اور حادثہ بھی رونما ہوا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا عسرت اور تنگدستی کے باعث بیمار ہوگئیں۔ ان کے علاج کے لیے ضروری دوا اور مناسب غذا موجود نہ تھی، لہٰذا انہوں نے 619ء میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے دنیا کو خیرباد کہا تو ان کی عمر 65 برس تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے پچاس سال گزر چکے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات پر سخت رنجیدہ ہوئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلسل دو دن تک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات پر آنسو بہاتے رہے۔ اس کے بعد زندگی کے آخری دن تک جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یاد آتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں بھیگ جاتیں۔ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے زندگی کو خیرباد کہا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس یا دیگر مسلمانوں کے پاس ایک کفن بھی نہ تھا لہٰذا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ایک لمبی چادر سے لپیٹ کر دفن کر دیا گیا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے دو دن بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابوطالب بھی چھیاسی سال کی عمر میں اس دنیا سے چلے گئے۔ ابوطالب بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرح بھوک، ناداری اور بڑھاپے کی بیماری کے باعث موت کی آغوش میں چلے گئے۔ ابو طالب مسلمان نہ ہوئے تھے، اور انہوں نے آخری دن تک اپنے آباؤ اجداد کے دین کو نہ چھوڑا۔ جب ابی لہب کو یہ خبر ملی کہ اس کا بھائی قریب المرگ ہے تو وہ شعب ابی طالب پہنچا اور اس کے سرہانے کھڑا ہو کر کہنے لگا:

"اے برادر! تو قسم کھا کہ تو نے محمد (ﷺ) کے دین کو نہیں مانا
اور اپنے آباء اجداد کے مسلک پر قائم رہتے ہوئے اس دنیا سے
رخصت ہو رہے ہوں۔"

ابو طالب کی وفات کے بعد قبیلہ بنو ہاشم کے ارکان لاچار ہو گئے کہ اپنے لیے ایک نیا سربراہ منتخب کریں۔ اس زمانے کے دستور کے مطابق ابو طالب کے بھائی ابی لہب کو قبیلے کی سرداری سونپ دی گئی۔ ابی لہب وہ شخص تھا کہ جو مکہ میں حضور ﷺ کا سب سے بڑا دشمن سمجھا جاتا تھا۔ اتفاق سے انہی دنوں اہل مکہ نے یہ دیکھا کہ خانہ کعبہ میں لٹکے ہوئے فرمان کو دیمک نے چاٹ لیا ہے اور صرف یہ عبارت رہ گئی ہے۔

"ساتھ تیرے نام کے اے اس گھر کے مالک"

قریش نے جب یہ دیکھا کہ دیمک نے حضرت محمد (ﷺ) اور دوسرے مسلمانوں کے شہر بدر ہونے کے فرمان کو چاٹ لیا ہے اور صرف "اللہ" کا نام باقی رہنے دیا تو ان پر انجانا خوف طاری ہو گیا۔ اتفاق سے یہ واقعہ ٹھیک ایسے وقت پر پیش آیا کہ جب ابو طالب انتقال کر چکے تھے، اور ابی لہب نے بنو ہاشم کے سردار کا عہدہ سنبھالا تھا۔ جیسے ہی ابی لہب قبیلے کا سردار بنا۔ چونکہ وہ بنو ہاشم میں اعلیٰ مقام پر فائز ہو چکا تھا لہٰذا اس نے احساس برتری کے باعث یہ سوچا کہ محمد (ﷺ) کے بارے میں اپنی رائے میں تجدید کرے تاکہ اپنے قبیلے اور خاندان کے مقابلے میں اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکے۔ قریش مکہ بھی فرمان کو دیمک کے کھا جانے کے باعث اور صرف "خدا" کا نام باقی رہ جانے کی وجہ سے تشویش اور خوف میں مبتلا تھے۔ لہٰذا جب ابی لہب نے یہ تجویز پیش کی کہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کو شعب ابی طالب سے مکہ واپس آنے کی اجازت دے دی جائے تو انہوں نے بلا تاخیر اپنی رضامندی ظاہر کر دی اور یوں مسلمانوں نے تین سال کے بعد اپنے آبائی شہر مکہ میں قدم رکھا۔

سفرِ طائف

مکہ کی زمین تنگ دیکھ کر حضور ﷺ نے دوسری وادیوں میں تبلیغ اسلام کے سلسلے میں طائف کا سفر اختیار کیا۔ اس سفر میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ آپ ﷺ جب طائف پہنچے تو وہاں کے قبیلہ بنی ثقیف کے سردار کے پاس تشریف لے گئے۔ اس سردار کے دو بھائی تھے، جو وہاں کے سرداروں میں شمار ہوتے تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں دعوت اسلام دی۔ انہوں نے آپ ﷺ کی باتیں بڑی توجہ سے سنیں۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا:

"اللہ تعالیٰ کو تمہارے سوا اور کوئی رسول نہیں ملا جسے وہ رسول بنا کر بھیجتا؟"

دوسرا غصے میں آ کر کہنے لگا:

"اگر اللہ تعالیٰ نے آپ (ﷺ) کو رسول بنا کر بھیجا ہے تو میں کعبہ کا غلاف ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔"

تیسرا اس سے بھی دو قدم آگے نکلا اور انتہائی بے ادبی کے ساتھ کہنے لگا:

"رب کعبہ کی قسم! میں تجھ سے کبھی کلام نہیں کروں گا۔ اگر واقعی تو (ﷺ) اللہ کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے جیسا کہ تو (ﷺ) کہہ رہا ہے تو پھر اس لحاظ سے تو (ﷺ) بڑا ہی خطرناک آدمی ہے۔ اس بارے میں تجھ (ﷺ) سے گفتگو کرنے اور تیرا

جواب دینے میں خطرہ ہے اور اگر تو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھ رہا ہے تو پھر بھی مجھ پر لازم ہے کہ تجھ سے کلام نہ کروں۔"

ان تینوں کی گفتگو سن کر نبی کریم ﷺ رنجیدہ ہو کر وہاں سے اٹھے اور تشریف لے گئے۔ ابھی آپ ﷺ طائف کی وادی میں تھے کہ ان تینوں نے وہاں کے بدمعاشوں، غلاموں اور بچوں کو ابھار کر آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا، تاکہ وہ آپ ﷺ کو تنگ کریں۔ آپ ﷺ کو تکلیف پہنچائیں۔ وہ اوباش اور ناسمجھ لوگ شوروغل کرتے گالیاں بکتے آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے چلنا شروع ہو گئے۔ پھر انہوں نے آپ ﷺ پر پتھروں کی برسات شروع کر دی جس سے آپ ﷺ کو بڑی تکلیف ہوئی۔ وہ حضور ﷺ کے پائے اقدس پر پتھر مارتے۔ آپ ﷺ شدت تکلیف سے زمین پر بیٹھ جاتے اور اپنے دست مبارک سے پائے اقدس کو تھام لیتے۔ اس کے بعد دوبارہ کھڑے ہو جاتے لیکن جب چلنے لگتے تو وہ لوگ پھر آپ ﷺ پر پتھر برسانا شروع کر دیتے۔ وہ آپ ﷺ پر ہنستے۔ ان بدبختوں نے آپ ﷺ پر اتنے پتھر برسائے کہ آپ ﷺ کے پائے اقدس لہولہان ہو گئے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جو اس سفر میں حضور ﷺ کے ہمرکاب تھے۔ ڈھال کی طرح آپ ﷺ کے ہمراہ رہے۔ جدھر پتھر آتا وہ خود آگے ہو جاتے کہ پتھر حضور ﷺ کو نہ لگ جائے مگر پتھروں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو پاتے تھے، مگر پھر بھی وہ جتنی کوشش کر سکتے تھے انہوں نے کی۔ بے شمار پتھر تو انہوں نے اپنے جسم پر کھائے یہاں تک کہ ان کا سر بھی پھٹ گیا اور خون بہہ نکلا لیکن انہوں نے حضور ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑا۔

جب طائف والوں نے ظلم کی انتہا کر دی تو حضور ﷺ ایک مقام پر رکے۔ قریب ہی ایک باغ تھا جو عتبہ بن ربیعہ کا تھا۔ آپ ﷺ مجبور ہو کر اس باغ میں داخل

ہو گئے تا کہ طائف کے ان گمراہ لوگوں سے جان چھوٹ سکے اور یہی ہوا۔ جب حضور ﷺ باغ میں داخل ہوئے تو وہ اوباش بدنصیب واپس چلے گئے۔ آپ ﷺ سخت پریشانی کے عالم میں بیٹھ گئے، اور اپنے پروردگار سے دعا کے لیے دست مبارک دراز فرما دیے اور فرمایا:

"اے میرے اللہ! میں اپنی قوت کی کمزوری اور تدبیر کی کمی اور لوگوں کی طرف سے اپنی رسوائی کی شکایت تجھ سے کرتا ہوں۔ اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے! تو کمزوروں کا رب ہے اور تو میری پرورش کرنے والا ہے، تو نے مجھے ایسے دور والے دشمنوں کے سپرد کر دیا ہے جو میری شکل دیکھتے ہی غصہ میں آ جاتے ہیں۔ ایسے کے لیے تو نے مجھے مالک بنایا ہے۔ اگر یہ مجھ پر تیرا غضب نہیں ہے تو میں کوئی پرواہ نہیں کرتا کیونکہ میرے لیے تیری عافیت بہت وسیع ہے۔ میں تیرے چہرے کے اس نور کی پناہ چاہتا ہوں جس سے تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں۔ دنیا و آخرت کے کام سدھر جاتے ہیں۔ اس بات سے کہ مجھ پر تیرا غضب نازل ہو یا مجھ پر تیری خفگی ہو میں تیری ہی رضامندی کا طالب ہوں، حتیٰ کہ تو راضی ہو جائے اور تیرے سوا کسی میں کوئی قوت و طاقت نہ ہے۔"

صحیح بخاری میں ہے، حضور ﷺ اس واقعہ کے بارے میں خود ارشاد فرماتے ہیں:

"جب میں طائف والوں کی طرف سے مغموم ہو بیٹھا تھا تو میں نے

اپنا سر اٹھایا۔ دیکھا کہ بادل کا ایک ٹکڑا مجھ پر سایہ کیے ہوئے ہے۔ پھر جب میں نے غور سے دیکھا تو اس میں حضرت جبریل علیہ السلام تھے۔ انہوں نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا:

''اے اللہ کے رسول ﷺ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی قوم کی حرکتیں اور باتیں ملاحظہ فرمائی ہیں۔ یعنی جو انہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ بدسلوکی کی ہے اور جو جواب دیا ہے' اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا ہے تاکہ آپ ﷺ جو چاہیں اسے حکم فرمائیں گے وہ اس کی تعمیل کرے گا۔''

پھر اس فرشتے نے رسول اللہ ﷺ سے کہا:

''اگر آپ ﷺ مجھے حکم فرمائیں تو میں ان دو پہاڑوں کے درمیان انہیں کچل کر ہلاک کر دوں۔''

اس کے ساتھ ہی حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میں نہیں چاہتا کہ انہیں ختم کیا جائے کیونکہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا فرمائے گا، جو اس کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں گے۔''

نبی پاک ﷺ جب باغ میں بیٹھے ہوئے تھے تو آپ ﷺ کی پیشانی مبارک پر پریشانی کے اثرات نمایاں تھے۔ ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ نے وہ سلوک دیکھ لیا تھا، جو لوگوں نے آپ ﷺ کے ساتھ کیا تھا۔ ان کے دل میں رحم کا جذبہ ابھرا اور انہوں نے اپنے ایک نصرانی غلام کو بلایا جس کا نام عداس تھا۔ انہوں نے

عداس کے ہاتھ میں انگور کا ایک خوشہ دیا اور اسے کہا:

"اسے تھالی میں رکھ کر اس شخص کے پاس لے جا تا کہ وہ اسے کھالے۔"

چنانچہ مالک کے فرمان کے مطابق عداس انگور کا خوشہ لے کر حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، اور آپ ﷺ نے انگور کی طرف دیکھا اور تناول فرمانے کے لیے دست مبارک بڑھایا تو فرمایا:

"بسم اللہ۔"

اس کے بعد انگور کا خوشہ تناول فرمایا۔ یہ دیکھ کر عداس آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک دیکھنے لگا اور حیران ہو کر کہنے لگا:

"خدا کی قسم، میں نے اس طرح کی بات یہاں کے لوگوں کے منہ سے کبھی نہیں سنی۔"

حضور ﷺ نے اس سے فرمایا:

"اے عداس! تم کس شہر کے رہنے والے ہو اور تمہارا دین کیا ہے؟"

عداس نے جواب دیا:

"میں نینوا شہر کا رہنے والا ہوں اور نصرانی ہوں۔"

حضور ﷺ نے فرمایا:

"تم نیک شخص حضرت یونس بن متی کی بستی کے رہنے والے ہو۔"

یہ سن کر عداس نے کہا:

"آپ (ﷺ) حضرت یونس علیہ السلام کو کیسے جانتے اور پہچانتے ہیں۔ آپ (ﷺ) کو کیسے معلوم ہوا کہ یونس بن متی کون تھا؟"

حضور ﷺ نے فرمایا:

"وہ میرے نبی بھائی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔"

یہ سن کر عداس نے کہا:

"آپ (ﷺ) کا اسم مبارک کیا ہے؟"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"میرا نام محمد (ﷺ) ہے۔"

عداس یہ سنتے ہی حضور ﷺ پر جھک پڑا اور پھر آپ ﷺ کا سر مبارک' دست مبارک' اور پائے مبارک چومنے لگا اور پھر کہنے لگا:

"میں نے مدت سے آپ ﷺ کا اسم مبارک دیکھا ہے، اور توریت میں آپ ﷺ کی تعریف پڑھی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مکہ کی وادی میں مبعوث فرمائے گا۔ اول مکہ والے آپ ﷺ کی دعوت قبول نہ کریں گے، اور آپ ﷺ کو شہر سے نکل جانا پڑے گا۔ آخرکار آپ ﷺ ہی کی مدد ہوگی اور پھر آپ ﷺ کا دین تمام دنیا میں پھیل جائے گا۔"

اس کے ساتھ ہی عداس نے اسلام قبول کر لیا اور مسلمان ہو گیا۔

روایت میں آتا ہے کہ جب عداس حضور ﷺ کے دست مبارک اور قدم ہائے مبارک کے بوسے لے رہا تھا تو ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ یہ دیکھ رہے تھے۔ جب عداس ان دونوں کے پاس آیا تو انہوں نے اس سے کہا:

"ارے کم بخت عداس! تمہیں کیا ہو گیا تھا کہ اس شخص کا سر' ہاتھ اور پاؤں چوم رہا تھا۔"

عداس نے کہا:

"اے میرے سردار! روئے زمین پر اس سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔ انہوں نے مجھے ایسی بات بتائی ہے جو نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔"

عداس کی بات سن کر دونوں نے کہا:

"کم بخت، کہیں وہ تجھے تیرے دین سے برگشتہ نہ کر دے۔ تیرا دین تو اس کے دین سے بہتر ہے۔"

عداس پر ان باتوں کا ذرا برابر اثر نہ ہوا۔ وہ اسلام کی دولت سے مالا مال ہو چکا تھا، اور خوشی میں سرشار اپنے آپ میں مگن تھا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام نخلہ پہنچے، پہلی رات کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے تو جنوں کی ایک جماعت جو نصیبین کی رہنے والی تھی، ادھر سے گزری۔ وہ سات شخص تھے، جن کا ذکر اللہ رب العزت نے قرآن میں فرمایا ہے، جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھی وہ سنتے رہے اور پھر ایمان لائے، اور اس کے بعد اپنی قوم کی طرف گئے، اور ان کو اسلام کی دعوت دی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿٢٩﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ

يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝٣٠

ترجمہ: ''اور جبکہ ہم نے تمہاری طرف کتنے جن پھیرے کان لگا کر قرآن سنتے، پھر جب وہاں حاضر ہوئے آپس میں بولے خاموش رہو پھر جب پڑھنا ہو چکا اپنی قوم کی طرف ڈر سناتے پلٹے بولے اے ہماری قوم ہم نے ایک کتاب سنی کہ موسیٰ کے بعد اتاری گئی اگلی کتابوں کی تصدیق فرمائی حق اور سیدھی راہ دکھائی۔''

(سورۃ الاحقاف:۲۹،۳۰)

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ امت کے کس قدر خیر خواہ اور ہمدرد تھے۔ چاہتے تو پہاڑوں کے فرشتے کو حکم دے سکتے تھے کہ طائف کی وادی کو برباد کر دو لیکن آپ ﷺ تو رحمت اللعالمین ﷺ تھے پھر بھلا آپ ﷺ ایسا حکم کیونکر دے سکتے تھے۔

سفرِ معراج مبارک

جب حضور ﷺ معراج شریف پر تشریف لے گئے تو اس وقت ساری زمین آپ ﷺ کی کنیز اور آسمان آپ ﷺ کا غلام تھا۔ وقت کی ساری رفتار آپ ﷺ کی مٹھی میں تھی۔ آپ ﷺ جب چاہتے دونوں جہانوں کی گردش کو روک سکتے تھے۔

حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

"معراج شریف کی رات حضرت جبریل علیہ السلام مجھے دوسرے آسمان پر لے گئے تو میں نے دیکھا کہ دونوں خالہ زاد بھائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام موجود ہیں۔ تیسرے آسمان پر میں نے دیکھا کہ ایک ایسا خوبصورت شخص ہے جس کی شکل چودھویں رات کے چاند کی مانند ہے۔ میں نے کہا:

"اے جبریل علیہ السلام! یہ کون ہیں؟"

انہوں نے کہا:

"یہ آپ ﷺ کے بھائی حضرت یوسف بن یعقوب علیہما السلام ہیں۔"

پھر مجھے جب چوتھے آسمان پر لے گئے تو میں نے ایک شخص کو دیکھا اور حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا:

"یہ کون ہیں؟"

انہوں نے جواب دیا:

"یہ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں۔"

پھر مجھے پانچویں آسمان پر لے گئے تو کیا دیکھتا ہوں کہ ادھیڑ عمر کا ایک شخص سفید سر، سفید بڑی داڑھی، میں نے ادھیڑ عمر کے کسی شخص کو اس سے زیادہ حسین نہیں دیکھا تھا۔ میں نے کہا:

''اے جبریل علیہ السلام یہ کون ہیں؟''

انہوں نے کہا:

''یہ اپنی قوم کے محبوب ہارون علیہ السلام ہیں۔''

پھر مجھے چھٹے آسمان کی طرف لے گئے تو اس میں دیکھا کہ ایک گندمی رنگ کا قد آور شخص ہے۔ میں نے کہا:

''جبریل علیہ السلام یہ کون ہیں؟''

انہوں نے کہا:

''یہ آپ ﷺ کے بھائی حضرت موسیٰ ہیں۔''

پھر مجھے ساتویں آسمان پر لے گئے تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک میانہ عمر کا شخص بیت المعمور کے دروازے کے قریب کرسی پر تشریف رکھے ہوئے ہیں۔ اس دروازے میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جو قیامت کے روز تک اس میں سے واپس نہیں آتے۔ میں نے کہا:

''جبریل علیہ السلام! یہ کون ہیں؟''

انہوں نے کہا:

''یہ آپ ﷺ کے والد (یعنی جد امجد) حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔''

پھر اس کے بعد وہ مجھے لے کر جنت میں داخل ہوئے۔''

حضرت جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کو لے کر ہر آسمان پر جاتے اور اندر

آنے کی اجازت طلب کرتے تو پوچھا جاتا:

"اے جبریل علیہ السلام! یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟"

حضرت جبرائیل علیہ السلام فرماتے:

"محمد ﷺ۔"

اندر سے آواز آتی:

"کیا بلوائے گئے ہیں؟"

یہ جواب دیتے: "ہاں!"

اس پر آواز آتی:

"اللہ تعالیٰ اس بھائی اور دوست کو زندہ رکھے۔"

حتیٰ کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی پاک ﷺ کو لے کر ساتویں آسمان پر پہنچے۔ اس کے بعد آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچا دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سے جی بھر کر باتیں کیں اور واپسی پر حضور ﷺ پر روزانہ پانچ نمازیں فرض فرمائیں۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے جب مجھ پر نماز فرض کی تو مجھے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"اے محمد (ﷺ) میں نے آپ (ﷺ) کی امت کی نماز' قیام' رکوع' سجود اور قعدہ پر مشتمل بنائی ہے تاکہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی امت کی عبادت عرش سے تحت الثریٰ تک کے تمام فرشتوں کی عبادت جیسی ہو۔ آپ ﷺ کی امت کو قیام سے ثواب قائمین' رکوع سے ثواب' راکعین' سجود سے ثواب' ساجدین' تہلیل سے تہلیل کہنے والوں کا ثواب ملتا رہے گا۔ ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ درجات عنایت فرمائے گا۔"

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معراج شریف کی رات' جنت و دوزخ کے عجائبات و غرائب کا مطالعہ فرمالیا تو ارشاد فرمایا:

''اے جبریل' علیہ السلام مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں واپس جاؤں۔''

انہوں نے کہا:

یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ضرور تشریف لے جائیں''

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

''جب میں دوبارہ حاضری کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو مجھے خطاب فرمایا:

''اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' جنت کی نعمتوں اور جہنم کی سختیوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیسا پایا؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''یااللہ! میں نے اس قدر نعمتیں جنت میں دیکھی ہیں کہ جن کی تعداد تیرے سوا کوئی نہیں جانتا اور جہنم کی اس قدر سختیاں تھیں کہ تو ہی ان کو بیان کرسکتا ہے۔''

ارشاد ہوا:

''اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آگ کی جو مقدار اور اس کے عذاب کے اوصاف جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنے اور دیکھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت آگ کی سختیوں سے ہمارے امن و امان میں رہے گی۔ اب واپس جائیں اور مخلوق کو ایمان لانے اور جنت کی نعمتوں کی طرف بلانے کی کوشش فرمائیں اور جہنم کے عذاب

اور سختیوں سے اجتناب فرمائیں۔ جب آپ ﷺ کو کوئی غم و تکلیف لاحق ہو تو مجھے یاد کیجئے کیونکہ اس وقت میں آپ ﷺ کے نفس سے بھی زیادہ آپ ﷺ کے قریب ہوں۔ مظلوم کی بددعا سے ڈریے کیونکہ میرے اور مظلوم کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں۔ اس کی دعا قبول کی جاتی ہے۔ اے محمد ﷺ مصائب پر صبر کیجئے، عناد، بغض، جبر اور تکبر سے بچئے۔ دنیا پر مغرور نہ ہونا اور اس سے مطمئن نہ ہو جائیے گا کیونکہ دنیا زوال پذیر ہے۔"

حضور ﷺ نے عرض کیا:

یا اللہ! میں تیری ہی عبادت کرتا ہوں، تجھ ہی سے ڈرتا ہوں، تجھ ہی سے امید رکھتا ہوں اور میں علم الیقین سے جانتا ہوں کہ میرا رب اور مجھے پیدا کرنے والا، عزت عطا کرنے والا، خلعت نبوت عطا کرنے والا تو ہی ہے۔"

بارگاہِ رب العزت کی طرف سے ارشاد ہوا:

"اے محمد ﷺ نماز کو وقت پر ادا کیجئے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیجئے کیونکہ اس سے دین قائم ہے۔"

اس کے بعد حضور ﷺ بے شمار پوشیدہ رازوں کو اپنے مبارک سینہ میں محفوظ فرما کر وہاں سے روانہ ہوئے اور واپسی کا سفر شروع ہوا۔ حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

"حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے اپنے پروں پر بٹھا کر آسمانوں کے کئی طبقات سے گزارا پھر واپس لائے۔ واپسی کے سفر میں، میں نے یاجوج ماجوج کو دیکھا اور رجال الغیب سے ملاقات فرمائی۔"

سفرِ ہجرتِ مدینہ منورہ

جب قریش کے مظالم انتہا کو چھونے لگے تو آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ کو ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا۔

اس سے پہلے حضور ﷺ نے مسلمانوں کی ایک جماعت کو حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی قیادت میں حبشہ کی جانب ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ اس جماعت میں سولہ یا سترہ افراد تھے، جنہوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ حاکمِ حبشہ نے مسلمانوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک روا رکھا۔

ادھر جب مکہ میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دے دیا۔ رسول اللہ ﷺ ابھی اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مکہ سے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے وقت مکہ معظمہ میں ہی تھے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کی اجازت ملنے کا انتظار فرما رہے تھے۔ جب تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہجرت کر گئے اور مکہ میں حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی دوسرا نہ رہ گیا تو مشرکین مکہ نے دیکھا کہ مسلمانوں کے لیے ایک دوسری امن گاہ پیدا ہو گئی ہے۔ اب انہیں تشویش تھی کہ کہیں محمد (ﷺ) بھی مدینہ ہجرت نہ کر جائیں۔ انہیں یہ خوف بھی دامن گیر تھا کہ کہیں مسلمان کسی جنگ کی تیاری میں مصروف نہ ہوں۔

اس خدشہ کے پیشِ نظر وہ تمام "دارالندوہ" میں جمع ہوئے۔ یہ دارالندوہ قصی بن کلاب کے گھر بنایا گیا تھا۔ دارالندوہ میں اس بارے میں مشاورت ہونے لگی کہ اب

کیا کیا جائے۔ دارالندوہ میں قریش کے بڑے بڑے سردار جمع تھے۔ ابھی مشاورت جاری تھی کہ ابلیس ایک خوش شکل بوڑھے کی صورت میں آیا۔ اس نے ایک موٹی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک عصا تھا۔ اس نے دارالندوہ کے دروازے پر آ کر دستک دی۔ قریش نے اس سے دریافت کیا:

"تم کون ہو؟"

اس مردود نے کہا:

"میں قبیلہ نجد سے تعلق رکھتا ہوں۔ مجھے یہ علم ہوا تھا کہ تم ایک معاملے میں اکٹھے ہوئے ہو۔ چنانچہ میں بھی چلا آیا تا کہ تمہاری کوئی مدد کر سکوں۔"

یہ سن کر قریش آپس میں کہنے لگے:

"چونکہ یہ مکہ کا رہنے والا نہیں ہے۔ اس لیے اگر یہ ہمارے مشورے میں شریک بھی ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔"

چنانچہ ان مشرکین نے ابلیس کو اپنی مجلس میں آنے کی دعوت دی اور کہا:

"اچھی بات ہے آ جاؤ۔"

اور یوں ابلیس بھی ان کے ساتھ شریک ہو گیا۔ ابلیس شیخ نجدی کی صورت میں ان کے سامنے بیٹھ گیا اور اپنی چرب زبانی سے ایسی باتیں کیں کہ مشرکین اس کے احسان مند ہو گئے، اور اس کی موجودگی کو بڑی اہمیت دینے لگے۔ پھر انہوں نے اس مردود (شیخ نجدی) کو اس مشاورتی مجلس کا سربراہ مقرر کر دیا۔

جب شیخ نجدی اس مشاورتی مجلس کا سربراہ بن گیا تو باری باری ہر ایک کا مشورہ سنتا اور پھر کسی بات کو بنیاد بنا کر مشورے کو رد کر دیتا۔ ان میں سے ایک نے مشورہ دیا:

"محمد (ﷺ) کو ایک مکان میں قید کر دینا چاہئے اور سوراخ میں

سے پانی دیتے رہنا چاہئے تاکہ وہ اسی قید خانے میں (نعوذ باللہ) ہلاک ہو جائیں۔"

شیخ نجدی نے یہ سن کر مشورہ دیا:

"یہ مشورہ برا ہے کیونکہ محمد (ﷺ) کے وہ ساتھی جو بکھرے ہوئے ہیں یہ خبر سن کر اکٹھے ہو جائیں گے۔ بنو ہاشم ان کے ساتھ مل کر انہیں قید خانے سے نکال لیں گے، اور تمہارے درمیان جنگ شروع ہو جائے گی۔"

ایک دوسرے نے مشورہ دیا:

"محمد (ﷺ) کو مکہ سے نکال دینا چاہئے۔ جہاں چاہے چلا جائے۔"

شیخ نجدی نے کہا:

"یہ مشورہ بھی کمزوری کی علامت ہے، کیونکہ محمد (ﷺ) شیریں بیان ہیں۔ ان کے کلام میں لطافت ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی ایسی قوم کے ہاں چلے جائیں جو ان کی باتوں سے متاثر ہو کر ان کی اطاعت قبول کر لے اور پھر وہ تمہارے ساتھ جنگ کے لیے نکل کھڑے ہوں اور تمہیں تباہ و برباد کر کے رکھ دیں۔"

چنانچہ یہ مشورہ بھی رد کر دیا گیا۔ مشرکین شیخ نجدی کی باتوں کو مستحسن خیال کرتے ہوئے اس کی طرف تحسین آمیز نظروں سے دیکھنے لگے، اور اس کی قابلیت کی داد دینے لگے۔ ان لوگوں میں ابوجہل بڑا سمجھدار تصور کیا جاتا تھا۔ چنانچہ سب اس کی طرف متوجہ ہوئے کہ وہ بھی اس کے بارے میں کوئی تجویز پیش کرے۔ اس پر ابوجہل نے کہا:

"میری اس بارے میں ایک رائے ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اب تک تم میں سے کسی نے اس کا خیال کیا ہو۔"

سب نے کہا:

"وہ کیا تجویز ہے؟"

ابوجہل نے کہا:

"صحیح تجویز یہ ہے کہ ہر قبیلے میں سے ایک طاقتور مرد چنا جائے اور ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک تلوار دی جائے۔ یہ سب اکٹھے ہو کر محمد (ﷺ) کے پاس پہنچیں۔ تلواروں سے اس طرح ایک ساتھ وار کریں کہ گویا ایک ہی شخص کا وار ہے۔ اس طرح ان کو (نعوذ باللہ) قتل کر دیں۔ اس طرح ہی ان سے ہم چین اور سکھ پا سکتے ہیں۔ کیونکہ ایسا کرنے سے ان کا خون تمام قبائل میں بٹ جائے گا۔ بنی عبد مناف اپنی قوم کے تمام افراد سے جنگ نہ کر سکیں گے۔ پھر ہم سے خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں گے، اور ہم ان کو خون بہا ادا کر دیں گے۔"

اس واقعہ کے بارے میں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اے محبوب (ﷺ)! اس وقت کو یاد کیجئے جب کفار آپ (ﷺ) کے بارے میں خفیہ طور پر منصوبہ باندھ رہے تھے کہ یا تو آپ کو قید کر دیا جائے یا آپ کو قتل کر دیا جائے یا آپ کو نکال دیں۔ وہ بھی خفیہ باتیں کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ ان کے مکر کا بدلہ دینے میں تدبیر فرما رہا تھا اور اللہ مکاروں کو بہترین بدلہ دینے والا ہے۔"

شیخ نجدی نے جب ابوجہل لعین کی تجویز کو سنا تو کہنے لگا:

"یہ ٹھیک بات ہے جو اس شخص نے کہی ہے۔ یہ ایسا مشورہ ہے

جس کے سوا اور کوئی مشورہ درست نہیں۔"

چنانچہ ابو جہل کی اس تجویز پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ اس کے بعد جب رات ہوئی تو مشرکین کی ایک جماعت جس میں ابو جہل، ابولہب اور امیہ بن خلف شامل تھے۔ طے شدہ منصوبے کے مطابق یہ جماعت اکٹھی ہوئی اور یہ سب نبی کریم ﷺ کے سو جانے کا انتظار کرنے لگے تاکہ (نعوذ باللہ) انہیں بے خبری میں قتل کر دیں۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ ابولہب نے کہا:

"رات بھر ہم ان کی نگرانی کرتے ہیں اور جب صبح ہو گی تو ان کو قتل کر دیں گے تاکہ بنی ہاشم کو معلوم ہو جائے کہ یہ کام ہم نے اجتماعی طور پر کیا ہے۔"

جب حضور ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ صبح کے وقت ہجرت کر جائیں کیونکہ جبریل علیہ السلام نے حاضر ہو کر کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ (ﷺ) کو ہجرت کرنے کا حکم دیتا ہے تو آپ ﷺ مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کرنے کے لیے بالکل تیار ہو گئے۔

ادھر کفار اپنے مشورے پر متفق ہو چکے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی پاک ﷺ کے پاس تشریف لائے اور کہا:

"آج کی رات آپ ﷺ اس بستر پر آرام نہ فرمائیں۔ جس پر آپ ﷺ روزانہ آرام فرمایا کرتے ہیں۔"

جب رات کا اندھیرا چھا گیا تو قریش طے شدہ منصوبے کے مطابق آپ ﷺ کے دروازے کے قریب جمع ہو گئے۔ نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کو ملاحظہ فرمایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"اے علی (رضی اللہ عنہ)! مجھے مدینہ کو ہجرت کرنے کی اجازت مل گئی ہے۔ جو امانتیں میرے پاس ہیں، انہیں میں تمہارے سپرد کرتا

ہوں۔ تم ان امانتوں کو ان کے مالکوں تک پہنچا دینا۔ مشرکین
آج رات مجھے قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ تم میرے بستر پر
لیٹ جاؤ۔ میری یہ سبز حضرمی چادر اوڑھ لو اور اسی چادر میں سو جاؤ۔
مطمئن رہو، تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ، نبی پاک ﷺ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے آپ ﷺ کی چادر مبارک اوڑھ کر سو گئے جو آپ ﷺ اوڑھتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود کو حضور ﷺ پر قربان کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ گھر سے باہر تشریف لائے۔ ابو جہل لعین نے آپ ﷺ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مذاق کیا۔

"یہ فرماتے ہیں کہ اگر تم میرے دین کے تابع ہو جاؤ تو عرب و عجم
کے حکمران ہو جاؤ گے، اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جاؤ
گے اور بہشت میں تمہارا ٹھکانہ ہو گا۔ اگر تم میری پیروی نہ کرو گے
تو دنیا میں تم میرے ہاتھ سے مارے جاؤ گے، اور آخرت میں
تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہو گا۔"

حضور ﷺ نے فرمایا:

"ہاں! میں یہی کہتا ہوں اور ایسا ہی ہو گا اور تو بھی دوزخیوں میں
سے ایک ہو گا، جیسا کہ مجھے اس کی خبر دی گئی ہے۔"

حضور ﷺ ان مردودوں کے سامنے کاشانہ اقدس سے تشریف لے گئے اور مٹھی بھر خاک دست مبارک میں لے کر ان کے سروں پر ڈالی۔ اس کے ساتھ ہی سورہ یٰسین کی یہ آیات تلاوت فرمائیں:

وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝٢ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝٣ عَلٰى
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝٤

ترجمہ: ”قسم ہے قرآن حکیم کی، بیشک آپ رسولوں میں سے ہیں، (یقیناً) آپ راہِ راست پر ہیں۔“ (سورۂ یٰسین: ۲ تا ۴)

رسول اللہ ﷺ ان آیات کی تلاوت سے فارغ ہوئے اور ان میں سے کوئی شخص باقی نہ رہا جس کے سر پر خاک نہ پڑی ہو۔ روایت میں ہے کہ اس رات جس کافر کے سر پر بھی خاک پڑی وہ سب غزوہ بدر میں ہلاک ہوا۔ حضور ﷺ ان سب لوگوں کے درمیان میں سے صحیح سلامت نکل گئے، اور کسی شخص کو علم تک نہ ہوا کہ آپ ﷺ کہاں گئے۔ جب حضور ﷺ وہاں سے تشریف لے گئے تو وہاں پر ایک شخص کمر جھکائے ہوئے آیا اور اس نے کفار کی جماعت سے پوچھا:

”تم یہاں کس لیے کھڑے ہو اور کس کا انتظار کر رہے ہو؟“

کفار نے جواب دیا:

”ہم محمد (ﷺ) کا انتظار کر رہے ہیں۔“

اس شخص نے کہا:

”خرابی ہو تمہاری، محمد (ﷺ) تو نکل گئے اور تمہارے درمیان سے ایسے نکلے کہ تمہیں خبر تک نہ ہو سکی، اور وہ تمہارے سروں پر خاک ڈال گئے۔“

یہ سن کر کفار نے اپنے سروں پر ہاتھ پھیرا تو ان کے ناپاک سروں پر خاک پڑی ہوئی تھی۔ اس کے بعد انہوں نے ایک دراڑ میں سے اندر جھانکا تو اندر کسی کو سوئے ہوئے پایا۔ اب کفار کہنے لگے:

”وہ رہا محمد (ﷺ) اپنی جگہ پر سویا ہوا ہے۔“

چنانچہ وہ سب حملہ کرنے کی غرض سے اندر داخل ہوئے تو ان کے آتے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ جب کفار کی جماعت نے حضور ﷺ کے بجائے

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو سمجھ گئے کہ اس شخص نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ واقعی محمد (ﷺ) تو چلے گئے اور گئے بھی یوں کہ ان کے سروں پر خاک اڑا گئے۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

"محمد (ﷺ) کہاں ہیں؟"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

"اللہ تعالیٰ ہی اپنے رسول ﷺ کا حال بہتر جانتا ہے۔"

اب تو کفار بڑے سٹپٹائے۔ ان کا سارا منصوبہ دھرے کا دھرارہ گیا تھا اور بکی الگ ہو رہی تھی۔ وہ حیران و پریشان اور سخت شرمندہ ہو رہے تھے۔ اب وہ ناکام ہو کر لوٹ گئے۔

جب حضور ﷺ کفار کا گھیرا توڑ کر نکلے تو وہاں سے سیدھے حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لیا اور مدینہ ہجرت کے لیے روانہ ہو گئے۔ کفار آپ ﷺ کی تلاش میں روانہ ہوئے مگر وہ آپ ﷺ کو تلاش نہ کر سکے۔ اپنی ناکامی پر وہ سخت تلملا رہے تھے۔

حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تین راتوں تک غار ثور میں قیام فرمایا۔ اسی غار میں حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے نبی پاک ﷺ کے پیروں کے زخموں کو باندھا اور چونکہ کوئی ایسی چیز موجود نہ تھی جس پر آپ ﷺ سر مبارک کو رکھ کر آرام فرماتے لہٰذا حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے کہا:

"آپ ﷺ اپنا سر میری گود میں رکھ کر آرام سے لیٹ جائیں۔"

لیکن آپ ﷺ نے یہ دیکھتے ہوئے کہ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ بھی تھکے ہوئے ہیں اور انہیں بھی آرام کی ضرورت ہے۔ ان کی یہ تجویز نہ مانی اور خود پتھریلی زمین پر سر رکھ کر لیٹ گئے۔ روایت یہ کہ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے سونے سے

پہلے یہ دیکھا کہ اس غار میں ایک سوراخ باقی رہ گیا ہے جسے وہ کپڑا کم ہونے کی وجہ سے نہیں بھر سکے تھے، لہٰذا انہوں نے اپنے پاؤں کی ایڑی اس سوراخ پر رکھ دی اور سونے کی غرض سے آنکھیں بند کرلیں۔ وہ سانپ جو اس سوراخ میں بیٹھا ہوا تھا، جب وہ باہر نکلنے لگا تو حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی ایڑی سے ٹکرا گیا اور جھنجھلا کر انہیں ڈس لیا۔ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ درد کی شدت سے تڑپ اٹھے اور اٹھ کر بیٹھ گئے۔ پسینے کے قطرے ان کے چہرے سے ڈھلک کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک پر ٹپکنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دیکھا کہ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے چہرے کا رنگ زرد پڑا ہوا ہے تو فوراً سمجھ گئے کہ وہ کسی تکلیف میں مبتلا ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ معلوم ہوا کہ انہیں سانپ نے ڈس لیا ہے تو فوراً اس جگہ جہاں سانپ نے ڈسا تھا' وہاں لعاب دہن لگا کر وہ جگہ باندھ کر اس کا زہر نکال دیا۔

کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں ناکامی کے بعد اعلان کروا دیا کہ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈ نکالے گا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خفیہ پناہ گاہ کا پتہ چلا لے گا تو اس شخص کو انعام کے طور پر ایک سو اونٹ پیش کیے جائیں گے۔ اگلے دن قریش کے کارندے تیز رفتار اونٹوں کے ذریعے اس علاقے تک پہنچ گئے جہاں سانپوں والی غار تھی، اور جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ پناہ لیے بیٹھے تھے۔ وہ کفار اس غار کے پاس سے بھی گزرے لیکن غار کے اندر داخل نہ ہوئے۔

ایک مکڑی نے غار کے منہ پر جالا بن دیا تھا۔ جب تعاقب کرنے والوں نے یہ دیکھا کہ غار کے منہ پر مکڑی کے جالوں کا پردہ تنا ہوا ہے تو انہیں یقین ہوگیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس غار میں داخل نہیں ہوئے کیونکہ اگر وہ غار میں داخل ہوتے تو مکڑی کا جالا ٹوٹ جاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کرنے والوں کے پہلے دستے کی طرح دوسرا دستہ بھی وہاں پہنچا۔ انہوں نے دیکھا کہ غار کے دہانے پر ایک پرندے کا گھونسلہ بنا ہوا

ہے، اور اس کے انڈے بھی وہاں موجود ہیں۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا:

”محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بلاشبہ اس غار میں داخل نہیں ہوئے اگر وہ اس غار میں
داخل ہوتے تو مکڑی کا جالا اور پرندے کا گھونسلہ یہاں نہ ہوتا۔“

ایک دن سراقہ اپنے خیمے میں بیٹھا کچھ لوگوں کے ساتھ مصروف گفتگو تھا۔
اتنے میں ایک شخص خیمے میں داخل ہوا اور کہنے لگا:

”اے سراقہ! میں نے آج دو اونٹ سواروں کو دیکھا ہے جو اونٹنی
پر سوار تھے اور سمندر کے کنارے سفر کر رہے تھے۔ میرا خیال ہے
ان میں سے ایک یقیناً محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تھا۔“

سراقہ بن مالک نے جیسے ہی یہ بات سنی تو اس شخص کی بتائی ہوئی نشانیوں
سے فوراً یہ سمجھ گیا کہ بلاشبہ ان دو مسافروں میں سے ایک محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں جن کے سر کی
قیمت ایک سو اونٹ مقرر کی گئی ہے، لیکن یہ سوچ کر کہ خبر لانے والا اس کے انعام میں
شریک نہ ہو جائے تو اسے فریب دینے کی غرض سے بولا:

”ارے تجھے غلط فہمی ہوئی ہے۔ وہ دونوں اونٹ سوار تو گزشتہ رات
میرے مہمان تھے اور آج صبح ہی یہاں سے روانہ ہوئے ہیں۔“

جب وہ شخص مایوس ہو کر چلا گیا تو سراقہ بن مالک اپنے قبیلے کے چند
افراد کے ساتھ تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعاقب میں روانہ ہو گیا
اور جلد ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
قریب پہنچتے ہی جب سراقہ نے اپنے گھوڑے کی لگام کھینچی تو وہ لڑکھڑا کر زمین پر گر
گیا۔ سراقہ نے مسلسل تین بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچنے کی کوشش کی، لیکن ہر بار اس کے
گھوڑے کی ٹانگیں خم ہو گئیں اور وہ زمین بوس ہو گیا۔ دور جاہلیت کے لوگ فال
نکالنے پر یقین رکھتے تھے۔ لہٰذا جب سراقہ کا گھوڑا تین بار لڑکھڑا کر گرا تو اس نے فال

نکالنے کا فیصلہ کیا کہ آیا وہ محمد (ﷺ) کو پکڑ کر قریش کے حوالے کر دے یا نہیں۔ اس کی فال منفی نکلی مگر اس کے باوجود اس نے چوتھی بار گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اس مرتبہ بھی وہی ہوا جو اس سے پہلے ہو چکا تھا، اور وہ شخص حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچنے میں ناکام رہا۔ جب سراقہ نے یہ دیکھا کہ اس کا گھوڑا مسلسل چار بار زمین بوس ہو چکا ہے اور اس کی فال بھی اچھی نہیں نکلی تو وہ چلایا:

"یا محمد (ﷺ)! ٹھہرو میں آپ (ﷺ) سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

سراقہ نے اپنا گھوڑا اپنے ہمراہیوں کے حوالے کیا اور خود پیدل ہی رسول اللہ ﷺ کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ آپ ﷺ کے قریب پہنچنے کے بعد بولا:

"یا محمد (ﷺ) میں قریش کا اتحادی ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپ (ﷺ) کو گرفتار کر کے قریش کو حوالے کر دوں، اور اس کے بدلے ایک سو اونٹ بطور انعام حاصل کروں لیکن اب مجھے احساس ہوا ہے کہ آپ (ﷺ) برحق ہیں کیونکہ میرا گھوڑا چار بار زمین پر گر پڑا اور آپ (ﷺ) تک نہ پہنچ سکا لہٰذا میں پیش گوئی کرتا ہوں کہ آپ (ﷺ) ایک دن قریش پر غلبہ پا لیں گے، اور میں اس دن آپ (ﷺ) سے امان طلب کرتا ہوں۔ میرا مطلب ہے کہ جب آپ (ﷺ) قریش پر غالب آئیں تو مجھے ان کا ساتھ دینے کے جرم میں سزا نہ دیں اور نہ میرے قبیلے کو انتقام کا نشانہ بنائیں۔"

حضور ﷺ نے کہا:

"اس دن تم امان میں ہو گے اور کوئی تمہارے قبیلے کو اور تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

بعد میں سراقہ بن مالک مسلمان ہو گئے، اور ان کا شمار اسلام کے نامور

سرداروں میں ہونے لگا اور اس دن کے بعد انہوں نے حضور ﷺ کی جستجو میں آنے والے قریش کے افراد کو اپنے قبیلے کی حدود میں آنے سے منع کر دیا۔ جب بھی کوئی آتا تو سراقہ اسے گمراہ کر دیتے اور کہتے:

"محمد (ﷺ) یہاں سے نہیں گزرے، شاید کسی اور راستہ سے گزرے ہوں گے۔"

جب حضور ﷺ نے مکہ فتح کر لیا اور حنین و طائف کی جنگوں سے فارغ ہوئے تو سراقہ بن مالک نے امان نامہ اپنی جیب میں ڈالا اور مقام جعرانہ میں حضور ﷺ کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہوا۔ وہاں پر انصار کی ایک جماعت موجود تھی انہوں نے سراقہ کو دیکھا تو مشتعل ہو کر آگے بڑھے اور اسے برچھیوں سے مارنے لگے، لیکن سراقہ ہمت کر کے حضور ﷺ سے اتنے فاصلے پر پہنچ گیا کہ اسے آپ ﷺ صاف دکھائی دے رہے تھے۔ اس نے تحریر نکالی اور ہاتھ بلند کر کے عرض کیا:

"یا رسول اللہ ﷺ! میں سراقہ بن مالک ہوں۔ میری نسبت یہ آپ ﷺ کی تحریر ہے۔"

حضور ﷺ نے سراقہ کی جانب دیکھا اور فرمایا:

"آج نیکی اور وعدوں کے پورا کرنے کا دن ہے۔ اسے میرے قریب لاؤ۔"

چنانچہ سراقہ آپ ﷺ کے پاس گیا اور مسلمان ہو گیا۔

حضور ﷺ کی آمد کی اطلاع جب اہل مدینہ کو ملی تو وہ ہر روز خوشی اور مسرت سے آپ ﷺ کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔ وہ ہر روز آپ ﷺ کے استقبال کے لیے حرہ کی طرف نکل جاتے اور وہیں پر ٹھہرتے یہاں تک کہ دھوپ سایہ دار مقامات پر پھیل جاتی۔ جب کہیں سایہ نہ ملتا تو وہ واپس چلے آتے۔ ان دنوں گرمیوں کا موسم تھا۔

جس دن آپ ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے۔ اس دن صبح کے وقت مدینہ کے لوگ آپ ﷺ کا انتظار کرتے رہے یہاں تک کہ جب سایہ نہ رہا تو اپنے گھروں کو واپس لوٹ آئے۔ ابھی تمام لوگ گھروں میں پہنچے ہی تھے کہ اتفاق سے مدینہ کا ایک یہودی قلعہ کی چھت پر کسی کام کی غرض سے آیا۔ اس نے دور سے دیکھا کہ حضور ﷺ اور حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کی جانب تشریف لا رہے ہیں۔ وہ جانتا تھا کہ مدینہ کے مسلمان جس مبارک ہستی کا ہر روز انتظار کرتے ہیں وہ یہی ہیں۔ چنانچہ وہ پکار اٹھا:

"اے لوگو! وہ ذیشان ہستی آ گئی جس کا تم انتظار کر رہے تھے۔"

یہ مبارک خبر فوراً تمام مسلمانوں میں پھیل گئی اور تمام لوگ نبی ﷺ کے استقبال کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔

حضرت محمد ﷺ اور حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے کھجور کے درختوں کے سامنے اپنی اونٹنیوں کو بٹھایا اور نیچے اتر کر درخت کے سایہ میں کھڑے ہو گئے۔ قبا کے رہنے والے جن میں مسلمان اور یہودی دونوں شامل تھے۔ آپ ﷺ کے گرد گھیرا ڈال کر کھڑے ہو گئے مگر انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ ان میں رسول اللہ ﷺ کون ہیں۔ حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ چونکہ نبی ﷺ سے تین سال بڑے تھے لہٰذا وہ اس بنا پر کہ لوگ غلطی نہ کریں اور انہیں اللہ کا رسول نہ سمجھ لیں ایک دو قدم پیچھے ہٹ گئے اور اپنا لبادہ اتار کر ایک سائبان کی طرح رسول اللہ ﷺ کے سر پر تان لیا تاکہ وہ سورج کی گرمی سے محفوظ رہیں۔ چنانچہ اس طرح لوگوں نے آپ ﷺ کو پہچان لیا۔ اس کے بعد تمام مسلمان مسلسل آپ ﷺ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل کرتے رہے۔ ان میں مشہور صحابی حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس وقت آپ ﷺ کی خدمت میں نعت کے چند اشعار بھی پڑھے۔ جس جگہ حضور ﷺ اور حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ اپنے اونٹوں سے اترے تھے اس کا نام محلہ بنی عمرو بن

عوف تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

"یہ جگہ کس کی ملکیت ہے؟"

ایک نوجوان آگے بڑھا اور بولا:

"یہ زمین میری ہے اور کھجور کے ان درختوں کو میں نے بویا ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میرا مطلب یہ تھا کہ اس زمین کا مالک، کہ اب مجھے پتہ چل گیا ہے تم ہو، کیا تم اس بات کی اجازت دیتے ہو کہ ہم کچھ دیر کے لیے ان درختوں کے سائے تلے ٹھہر جائیں؟"

نوجوان نے خوشی سے جواب دیا:

"کیوں نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک چاہیں یہاں ٹھہر سکتے ہیں یا قیام کر سکتے ہیں۔"

لیکن اسی لمحہ قبا کے مسلمانوں میں سے ایک خاتون جس کا نام ام کلثوم تھا آگے بڑھیں اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ وہ ان کے گھر چلیں اور وہاں قیام کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دعوت قبول کرنے سے اجتناب کیا اور فرمایا:

"ہم لوگ تمہارے لیے زحمت کا باعث بنیں گے۔"

لیکن ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے اصرار کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے گھر میں ایک حجرہ خالی ہے جو میرے استعمال میں نہیں لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی بلاتکلف اس حجرے میں ٹھہر سکتے ہیں۔ میں خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں کی دیکھ بھال کروں گی، اور ان کے دانہ پانی کا خیال رکھوں گی۔"

لہٰذا ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے اصرار پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی دعوت قبول کر لی اور ان کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے اور وہاں پہنچ کر مذکورہ حجرے میں سکونت اختیار کی۔

دوسری طرف اہل مدینہ بھی اسی دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے باخبر ہو گئے اور پہلا شخص جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شوق دیدار میں مدینہ سے قبا پہنچا وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے۔ بعد ازاں دوسرے مسلمان بھی مدینہ سے قبا پہنچنا شروع ہو گئے، اور رفتہ رفتہ ان کی تعداد اتنی بڑھ گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مختصر سے حجرے میں ان سب کو خوش آمدید نہیں کہہ سکتے تھے لہٰذا سعد نامی شخص نے جس کا شمار بھی مسلمانوں میں ہوتا تھا۔ اس کا گھر خاصا بڑا تھا۔ اس نے وہ گھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اختیار میں دے دیا تاکہ اس وسیع گھر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوسرے مسلمانوں سے ملاقات کرنے میں سہولت رہے۔ تاہم آرام کرنے کی غرض سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے چھوٹے سے گھر میں واپس آ جاتے اور رات بھی وہیں بسر کرتے تھے۔

قبا پہنچنے کے بعد تیسرے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مسجد تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے مسجد کی زمین بطور ہدیہ پیش کرنا چاہی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا:

''میں اس زمین کو خریدنا زیادہ پسند کروں گا۔''

لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ زمین خریدی۔

مسجد قبا وہ پہلی مسجد ہے جو مسلمانوں نے تعمیر کی اور سارے مسلمان خواہ وہ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے اور مہاجرین کہلاتے تھے اور وہ جو مدینہ کے مسلمان باشندے تھے اور انصار کے نام سے مشہور تھے۔ مسجد قبا کی تعمیر میں شریک ہوئے۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر گارا بناتے اور اینٹیں ڈھوتے تھے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی اپنے

کندھوں پر بھاری بھرم پتھر اٹھاتے اور بہت دور سے مٹی کی بوریاں ڈھو کر لاتے تاکہ اس سے گارا بنا کر اینٹیں ڈھائی جا سکیں۔ مسجد قبا حقیقی معنوں میں مسلمانوں کی پہلی مسجد ہے کیونکہ تمام مسلمانوں نے اس کی تعمیر میں حصہ لیا، اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ اور صہیب رومی رضی اللہ عنہ جیسے نامی گرامی اور اشرافیہ طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ دوسرے غریب اور مفلس مسلمانوں کے شانہ بشانہ پتھر ڈھوتے رہے، اور عام مزدوروں کی طرح کام کرتے رہے اور خود حضور ﷺ بھی صبح سے شام تک عام لوگوں کی طرح کام کرتے رہتے تھے۔ حضور ﷺ نے قبا میں بیس روز قیام فرمایا اور جب مسجد مکمل ہوگئی تو آپ ﷺ نے مدینہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ مدینہ ان دنوں یثرب کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ شہر کے اصلی باشندوں نے اسے ''طیبہ'' کا نام دے رکھا تھا یعنی پاکیزہ اور دل پسند شہر۔ لہٰذا مدینہ کا پہلا نام طیبہ تھا اور اس کی وجہ تسمیہ غالباً یہ تھی کہ جب کوئی انسان جزیرۃ العرب کے سلگتے ہوئے صحراؤں سے نکل کر طیبہ میں قدم رکھتا تو اسے یوں محسوس ہوتا جیسے بہشت میں آ گیا ہو لیکن بدوی باشندے جو صحرا کی خشک آب و ہوا میں پرورش پاتے تھے۔ جب طیبہ میں داخل ہوتے تھے تو وہاں کی آب و ہوا کو جس میں قدرے نمی بھی ہوتی تھی، برداشت نہ کر پاتے اور جلد ہی بیمار ہو جاتے تھے تاہم کچھ عرصے بعد وہ بھی اس شہر کے عادی ہو جاتے۔

جب مسجد قبا مکمل ہوگئی تو حضور ﷺ نے عزم مدینہ کیا، اور اپنی اونٹنی پر جس کا نام قصویٰ تھا، سوار ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب آپ ﷺ مدینہ پہنچے تو سارے مسلمان اس شہر کی گلیوں، کوچوں اور بازاروں میں جمع ہو چکے تھے، اور ان میں کچھ لوگ تو حضور ﷺ کی اونٹنی کی طرف جاتے اور اس کی عنان تھام کر درخواست کرتے کہ رسول اللہ ﷺ ان کے گھر میں قیام کریں یا ان کے محلے کی طرف چلیں۔ حضور ﷺ نے جب لوگوں کا اشتیاق و اصرار دیکھا تو انہیں احساس ہوا کہ اگر وہ

مسلمانوں میں سے کسی ایک کے گھر میں ٹھہریں گے یا کسی خاص محلے میں اتریں تو ہو سکتا ہے یہ بات دوسروں کی رنجش یا دل شکنی کا باعث بنے، اور وہ یہ تصور کرنے لگیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں سے کسی ایک کو دوسروں پر ترجیح دیتے ہیں اور اسے خاص نوازش کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"میرے اونٹ کی لگام چھوڑ دو اور اسے جہاں چاہے جانے دو کیونکہ میں جانتا ہوں کہ میری اونٹنی وہیں بیٹھے گی جہاں خدا کی مرضی ہوگی اور میں بھی وہیں قیام کروں گا جہاں خدا چاہے گا۔"

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی قصویٰ مدینہ کے کئی محلوں سے گزری اور محلہ "النجار" میں داخل ہوگئی۔ دور سے ایک سفید عمارت نمایاں ہوئی جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہچان لیا اور جان گئے کہ یہ حضرت عبدالمطلب کی والدہ کا گھر ہے، جو ہاشم کی زوجہ تھیں۔ مدینہ کے مسلمان بھی اس بات سے باخبر تھے لہٰذا وہ سمجھ گئے کہ قصویٰ اس گھر کے سامنے ٹھہر جائے گی لیکن قصویٰ وہاں نہ رکی اور اپنی راہ چلتی رہی۔ مدینہ کے سارے مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی کے پیچھے چل رہے تھے، اور یہ جاننے کے مشتاق تھے کہ یہ اونٹنی آخر کار کہاں ٹھہرے گی۔ کچھ مسافت کے بعد وہ لوگ ایسی جگہ پہنچے جہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی قبر تھی۔ تاہم سبھی لوگ جانتے تھے کہ ان کی والدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی قبر وہاں نہیں ہے۔ کچھ مسلمانوں کو خیال گزرا کہ شاید اونٹنی وہاں ٹھہرے لیکن قصویٰ وہاں بھی نہ رکی اور اپنی راہ چلتی رہی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ دیکھا کہ ان کی اونٹنی اس محلے سے دور نہیں ہو رہی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی والدہ اور ان کے خاندان کی یاد آ گئی کیونکہ ان کا شجرہ مادری النجار سے پیوستہ تھا اور اگرچہ انہوں نے مکہ میں اپنے اسلاف سے ناطہ توڑ رکھا تھا تاہم ان کا

رابطہ شجرہ مادری سے اب بھی برقرار تھا۔قصویٰ کچھ دیر تک محلہ النجار میں چکر لگاتی رہی پھر ایسے قطعہ زمین میں داخل ہوگئی جو بالکل خالی تھا۔اونٹنی وہاں پہنچ کر چند قدم اور آگے بڑھی پھر ٹھہر گئی اور زمین پر گھٹنے ٹیک دیے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اطمینان حاصل کرنے کی خاطر کہ آیا اس کا قیام عارضی ہے یا مستقل، قصویٰ کو اٹھانے کی کوشش کی لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلی۔اس جگہ پر جہاں اونٹنی نے گھٹنے ٹیک دیے تھے، کوئی گھر موجود نہ تھا اور اس زمین کو کھجوریں خشک کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔البتہ وہاں سے کچھ فاصلے پر ایک گھر تھا اور مسلمانوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا:

"یہ گھر ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نامی شخص کی ملکیت ہے۔"

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں قیام فرمایا۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سات ماہ تک ان کے گھر کی نچلی منزل میں سکونت اختیار فرمائی۔

❀❀❀

میدانِ بدر کی طرف سفر

نبی کریم ﷺ کے اس مبارک سفر میں بھی بہت سے واقعات پیش آئے۔
چنانچہ روایات میں آیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ سفر کرتے ہوئے مقام روحا پر پہنچے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

"یہ عرب کی وادیوں میں سے ایک مقدس وادی ہے۔"

یہ فرما کر رسول اللہ ﷺ نے وہاں پر توقف فرمایا اور اسی مقام پر عشا کی نماز ادا فرمائی، اور سجدہ سے سر مبارک اٹھانے کے بعد کفار کے لیے لعنت بھیجی اور تمام مشرکین میں سے ابوجہل اور قریش کی دوسری جماعت کے لیے بھی بد دعا فرمائی۔
اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے ان مسلمانوں کے لیے جو مکہ مکرمہ میں کفار کی قید میں تھے، نجات کی دعا بھی فرمائی۔

نبی کریم ﷺ کے اس مبارک سفر میں مدینہ منورہ کے بہادروں میں سے ایک دلیر اور جری شخص خبیب بن یساف بھی آپ ﷺ کے ساتھ شامل سفر تھا اور دوسرا شخص قیس بن محرث بھی شامل تھا۔ اس بات سے قطع نظر کہ یہ دونوں اشخاص مشرک تھے لیکن پھر بھی لشکر اسلام کے ساتھ مدینہ منورہ سے چل پڑے تھے، اور عقیق کے مقام پر مسلمانوں کے ساتھ آ ملے تھے۔

خبیب بن یساف نے اپنے چہرے پر حریر کا نقاب ڈال رکھا تھا اور سر پر خود بھی پہنی ہوئی تھی۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ساتھ ہی چلا آ رہا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے

خلیب کی طرف دیکھا اور اسے پہچانتے ہوئے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی جانب رخ انور پھیر کر ان سے استفسار فرمایا:

"کیا یہ خلیب یساف نہیں؟"

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"ہاں یارسول اللہ ﷺ۔"

اس کے بعد خلیب رسول اللہ ﷺ کے سامنے آ گیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے اور قیس سے دریافت فرمایا:

"تم کس لیے ہمارے ساتھ آ رہے ہو؟"

انہوں نے جواب دیا:

"آپ ﷺ ہمارے ہمسائے کے بھانجے ہیں۔ اب آپ ﷺ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم اپنی قوم کے مال غنیمت کو حاصل کرنے کے لیے آئے ہیں۔"

خلیب بن یساف نے کہا:

"میری جرأت و بہادری کا حال قوم کو معلوم ہے، اور میں آپ ﷺ کے ہم رکاب رہ کر دشمنوں کے ساتھ مال غنیمت کے لیے جنگ کروں گا۔"

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"پہلے اسلام قبول کرو اس کے بعد جنگ کرو۔"

چنانچہ مقام روحا پر پہنچ کر جناب خلیب بن یساف رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں پہنچے اور کہا:

"یارسول اللہ ﷺ میں آپ ﷺ کے اور ساری دنیا کے پروردگار پر

ایمان لاتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خلیب رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے بہت خوش ہوئے جب کہ قیس نے ایمان قبول نہ کیا اور کفر کی حالت میں ہی واپس لوٹ گیا، لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ پہنچے تو قیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور ایمان کی دولت حاصل کی اور اپنی جان اسلام پر اس طرح قربان کی کہ غزوہ احد میں شہید ہو گئے۔

راستے کی مسافت طے کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وادی صفرا میں پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا گیا کہ قریش کا لشکر ہماری جانب رخ کر رہا ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مقام پر اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا کہ قریش مکہ مکرمہ سے نکل آئے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ ہماری ان کی لڑائی کی نوبت آئے۔ پس تمہارا کیا مشورہ ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ اٹھے اور نیک مشورہ دیا۔ ان کے بعد حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ اٹھے اور حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی رائے سے اتفاق کیا پھر ساتھ ہی کہا:

> "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی قسم وہ قریش کے معززین کی جماعت ہے۔ جب سے وہ معززین کی صف میں داخل ہوئے ہیں انہیں ذلت کا سامنا نہیں کرنا پڑا ہے۔ وہ شروع سے کافر رہے ہیں اور ایمان نہیں لائے اور اب وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے لہٰذا ان سے لڑنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی اور اس کے بعد اور بھی کئی جید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی طرح کی باتیں کیں۔ انصار کی طرف سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"یارسول اللہ ﷺ ہم آپ ﷺ پر ایمان لا کر آپ ﷺ کی تصدیق کر چکے اور گواہی دے چکے ہیں کہ جو کچھ آپ ﷺ لائے ہیں وہ حق اور سچ ہے، اور آپ ﷺ سے ہم نے عہد و پیمان باندھ رکھا ہے اور اب تک ہم اس پر قائم ہیں۔ آپ ﷺ ہمیں جہاں لے جانا چاہیں لے جائیں۔ یارسول اللہ ﷺ اس اللہ کی قسم، جس نے آپ ﷺ کو سچائی کے ساتھ مخلوق کی جانب بھیجا ہے۔ اگر آپ ﷺ دریا میں بھی چھلانگ لگانے کا حکم دیں گے تو ہم دریا میں چھلانگ لگا دیں گے اور ہم میں سے کوئی بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ جس کے ساتھ آپ ﷺ تعلق رکھنا چاہیں، تعلق رکھیں اور جس کے ساتھ منقطع کرنا چاہیں، منقطع فرمائیں اور جس قدر بھی آپ ﷺ چاہیں ہمارے اموال میں سے تصرف فرمائیں۔ ہمارے لیے خوشی کا باعث ہو گا اور جو چاہیں چھوڑ دیں اور اس اللہ کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں ہماری جان ہے، ہمیں کوئی ناگوار نہیں ہو گا کہ ہم دشمن تک پہنچیں اور اس سے جنگ کا موقع آئے۔ شاید اللہ تعالیٰ ہم سے کوئی ایسی بات آپ ﷺ کو دکھائے کہ جس سے آپ ﷺ کی چشمان مبارک روشن ہوں، پس آپ ﷺ چل پڑیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی بات کو انتہائی پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور انتہائی مسرت کا اظہار فرمایا اور منزل مقصود کی جانب دوبارہ سفر کا آغاز فرمایا اور ارشاد فرمایا:

"چلو اللہ کی عنایات و برکات کی تم کو بشارت ہو کہ اللہ تعالیٰ نے خاص ان دو جماعتوں ابوسفیان اور قوم قریش کے بارے میں

مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔ بخدا' میں ان کے بچھڑنے کی جگہ کو دیکھ رہا ہوں۔"

بدر کے پہلے کنوئیں کے نزدیک پہنچ کر مسلمانوں نے قریش کے کئی غلاموں کو گرفتار کر لیا اور کئی بھاگ گئے۔ اس منزل پر قیام کے وقت حضرت خباب المنذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ ﷺ! اگر اس منزل میں ہمارا قیام وحی کے مطابق ہے تو ہم ایک قدم نہ آگے بڑھا سکتے ہیں، اور نہ ایک قدم پیچھے ہٹا سکتے ہیں۔ اگر یہ آپ ﷺ کی ذاتی رائے کی بناء پر ہے تو یہ منزل ہمارے لیے مناسب نہیں ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"نہیں اس بارے میں کوئی وحی نہیں آئی۔ یہ میری ذاتی رائے تھی۔"

حضرت خباب المنذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"پھر ہمیں یہاں سے کوچ کر جانا چاہیے اور آخری کنویں پر قیام کرنا چاہیے کیونکہ مجھے اس کنویں کے پانی کی مٹھاس اور بہتات کا پتہ ہے۔ جب ہم وہاں پہنچیں تو ایک حوض بنالیں اور کنویں کو پاٹ دیں تا کہ ہمارے لیے پانی ہو اور دشمنوں کے لیے نہ ہو۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

"اسی اثناء میں حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور وحی لائے کہ خباب رضی اللہ عنہ کی رائے مناسب ہے۔"

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا کہ وہاں سے کوچ کیا جائے اور خباب رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق عمل کیا جائے۔

اسی رات رسول اللہ ﷺ اسلامی لشکر کے ہمراہ بدر کے نزدیک جا پہنچے، اور ایک ایسے ریگستان میں اترے جہاں گھٹنوں گھٹنوں ریت میں دھنسے جاتے تھے۔ پیاس نے مسلمانوں پر غلبہ کیا۔ بعض کو غسل اور بعض کو وضو کی حاجت تھی اور پانی نہ تھا۔ چونکہ اسلامی لشکر اور پانی کے درمیان خاصا فاصلہ تھا۔ پس شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ باوجود اس کے کہ تم پیغمبر ﷺ کے ساتھی ہو اور تمہارے ساتھ فتح و نصرت کا وعدہ کیا گیا ہے اور تمہاری یہ حالت ہے کہ پانی بھی تمہیں میسر نہیں ہے۔ اس وجہ سے کافی مسلمان رنجیدہ خاطر سے تھے کہ اچانک ابر رحمت آیا اور بارش شروع ہو گئی۔ مسلمانوں نے غسل اور وضو کیا اور خوب سیر ہو کر پانی پیا۔ اس جگہ کی ریت دب گئی اور زمین سخت ہو گئی چنانچہ اس پر سے گزرنا آسان ہو گیا۔ دوسری طرف کافروں کی زمین پر کیچڑ ہو گیا۔ شیطان کا وسوسہ جاتا رہا اور مسلمانوں کو اطمینان و سکون حاصل ہو گیا اور یہ آیت کریمہ اسی ضمن میں نازل ہوئی:

"اور اللہ نے آسمان سے پانی اتارا تا کہ اس سے تم پاکی حاصل کرو
اور اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں سے شیطان کا وسوسہ دور فرمائے۔"

❀❀❀

بنو قینقاع کی طرف سفر

غزوہ بدر سے پہلے تو جیسے حالات تھے سو تھے، لیکن غزوہ بدر کی فتح کے بعد اسلام کی سربلندی کو دیکھ کر کفار مکہ کے علاوہ جس قوم کو سب سے زیادہ تکلیف ہوئی وہ یہ تینوں یہودی قبائل تھے۔ ان یہودی قبائل جن سے میثاق مدینہ کے نام سے ایک معاہدہ ہو چکا تھا۔ اس کی خلاف ورزی سب سے پہلے غزوہ بدر کے بعد قینقاع نے کی۔ یہ قبیلہ یہودیوں کے دیگر دو قبائل سے بڑا طاقتور تھا۔ ان قبائل میں سات سو جنگجو مرد تھے جن میں تین سو زرہ پوش بھی تھے۔ ان لوگوں کی شرارتوں پر شروع میں تو مسلمان خاموش رہے، لیکن انہوں نے مسلمان کی خاموشی اور شرافت کو بزدلی پر محمول کیا اور اپنی سرگرمیوں میں دن بدن اضافہ کرنے لگا۔

حتیٰ کہ انصاری مسلمان خاتون کی ایک یہودی شخص کے ہاتھوں بے حرمتی اور ایک غیرت مند مسلمان کی شہادت کے واقعات رونما ہو گئے۔ اس واقعہ کے بعد خاموش رہنا خلاف مصلحت تھا۔ نبی کریم ﷺ نے یہود کے سرداروں کو طلب کیا اور ان سے کہا:

> ”اے اہل یہود! خدا سے ڈرو اور بدر کے واقعہ سے سبق لو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا حشر بھی بدر والوں جیسا ہو۔ اس لیے تم اپنے عہد و پیمان اور میثاق کا خیال رکھو۔“

یہود نے نبی محترم ﷺ کی بات کا کوئی پاس لحاظ کرنے کی بجائے نہایت

ہٹ دھرمی اور ڈھٹائی سے کہا:

"اے محمد (ﷺ)! آپ (ﷺ) ہمیں بدر والوں کے واقعہ سے مت ڈرائیں ہم قریش نہیں۔ ہم سے اگر آپ لوگوں کا واسطہ پڑا تو ہم دکھا دیں گے کہ جنگ کس کو کہتے ہیں۔"

یہ کہہ کر یہودی سردار دامن جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ ان کی طرف سے کھلم کھلا عہد شکنی اور اعلان جنگ تھا۔ ان کی عہد شکنی پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"جب تمہیں کسی قوم کی طرف سے عہد شکنی کا خوف ہے تو تم نقص عہد کرنے والوں کے ساتھ نقص عہد کرو۔"

اس ارشاد خداوندی کے بعد نبی کریم ﷺ نے لشکر اسلام کو بنو قینقاع کی طرف سفر کی تیاری کا حکم دیا۔ عم رسول حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو سالار لشکر اور علم بردار مقرر کیا۔ فوج کی تیاری مکمل ہوگئی تو آپ ﷺ نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا نائب مقرر کیا، اور خود بنو قینقاع پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوئے۔ یہودیوں نے مسلمانوں کی لشکر کشی کی خبر سنی تو وہ قلعہ بند ہوگئے۔ مسلمانوں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ پندرہ دن تک مسلمانوں نے نہایت استقامت کے ساتھ قلعہ کا محاصرہ کیے رکھا۔ قلعہ بند رہنے کے بعد یہودیوں کا تمام جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ اِن کے قلعے بند تھے مگر ان کی ہمت اور طاقت کے بند کھل گئے۔ انہوں نے ہتھیار ڈال دیے اور تصفیہ اور صلح کی درخواست کی اور کہا ہمیں نبی ﷺ کا ہر فیصلہ منظور ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ان کے معاملے میں خود فیصلہ فرمانے کی بجائے عبداللہ بن ابی سلول جو یہود کا قدیمی حلیف بھی تھا اور آغاز محاصرے سے ہی اس جھگڑے کا تصفیہ کروانے کا خواہشمند تھا، اسے حاکم مقرر کیا۔

عبداللہ بن ابی سلول نے یہود کو جلاوطن کرنے کا فیصلہ کیا جس کو بنو قینقاع

نے منظور کرتے ہوئے "عبادہ بن الصامت" کے ذریعہ اس فیصلہ کی تعمیل کے لیے تین دن کی مہلت طلب کی جسے منظور کرلیا گیا۔

تیسرے روز وعدہ کے مطابق یہ قبیلہ جو سات سو افراد پر مشتمل تھا۔ مدینہ چھوڑ کر شام کے علاقے وزراعات میں چلا گیا۔ یہ لوگ اپنے ہمراہ جتنا مال واسباب لے جا سکتے تھے لے گئے، اور جو باقی رہ گیا اس کو مسلمانوں نے آپس میں تقسیم کرلیا۔ مال غنیمت میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خمس (پانچواں) حصہ الگ فرمایا۔ یہ پہلی رقم خمس تھی جو مال غنیمت سے علیحدہ کرنے کے بعد بقیہ مال مسلمانوں میں تقسیم کردیا گیا۔

❁

بنو قینقاع کی پسپائی کے بعد نجد کے قبائل بنو سلیم اور بنو غطفان نے بھی سر اٹھایا۔ ان دونوں قبائل کے قریش مکہ سے خصوصی مراسم تھے اور بدر کی جنگ میں ان قبائل نے اسلام کے خلاف کفر کا باقاعدہ ساتھ بھی دیا۔ بنو سلیم کی سازش کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کی طرف پیش قدمی کی اور تین راتیں ان کے "چشموں" پر "الکدر" کے مقام پر قیام فرمایا۔ بعض روایات کے مطابق ان کے اونٹ بھی قبضے میں لے لیے مگر مزاحمت کے لیے آگے کوئی نہ بڑھا۔ کافی انتظار کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے ساتھیوں کو واپس لے گئے۔ ایک ماہ کے بعد بنو سلیم نے اپنے آدمی دوبارہ جمع کرنے شروع کر دیے۔ جب تک میدان جنگ میں دشمن کو اس کی شرارتوں کی سزا نہ مل جائے وہ شرارت سے باز نہیں آیا۔ بنو سلیم بھی بدر کی شکست کا بدلہ چاہتے تھے۔ ان کو اپنے قبائل، اپنی دولت وثروت اور طاقت پر ناز تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دوسری مرتبہ پھر چار سو پچاس مجاہدین جن میں گھوڑ سوار بھی تھے، جو میمنہ اور میسرہ کے فرائض انجام دینے کے لیے تھے ان کو لے کر بنو سلیم کے علاقہ میں پہنچ گئے۔ اس مرتبہ بھی بنو سلیم کا اجتماع مکمل نہ ہوا، اسلامی لشکر کی آمد کی اطلاع

پا کر یہ لوگ منتشر ہو گئے۔

ان غزوات کے مطالعہ سے حضور ﷺ کی عسکری و جنگی اصولوں سے آگاہی کا واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ جانی نقصان کے بغیر ہر جگہ کامیاب و کامران ہو جاتے تھے۔

آپ ﷺ نے مسلمانوں کی بالادستی' مدینہ النبی ﷺ کی حفاظت کے لیے ہمیشہ اپنا دیدہ بینا وا رکھا۔ بنوقینقاع، بنوغطفان، بنوسلیم اور دیگر قبائل کی جارحیت کو نہایت تدبر اور سوجھ بوجھ سے کچل کر رکھ دیا۔ آپ ﷺ جانتے تھے جس قبیلے کو ایک بار شکست ہو جائے وہ فاتح کے مقابل آنے کی کوشش ضرور کرتا ہے، لیکن سامنے صف آراء ہونے میں اسے دقت پیش آتی ہے۔ آپ ﷺ نے خطرات پر پیشگی نظر رکھی اور مدینہ کے شمال میں رہنے والے دونوں بڑے قبائل سے نپٹنے کے بعد آپ ﷺ نے جنوب کی طرف بھی توجہ دی۔ آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حجاز سے فروغ الجران کے مقام تک تشریف لے گئے۔ اس سفر میں آپ ﷺ نے کسی قبیلہ کو ہدف نہیں بنایا تھا بلکہ ان جنوبی علاقے کے قبائل سے آپ ﷺ نے سفارتی اور دوستانہ تعلقات قائم کرنے ارادہ فرمایا۔

بدر کے بعد جتنی جنگیں ہوئیں ان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ کوشش کی کہ کوئی قبیلہ متحد ہو کر مدینہ پر حملہ آور نہ ہو سکے۔ اسی لیے آپ ﷺ ہر قبیلے کو اس کی پیش قدمی سے پہلے ہی پسپا کرنے کے انتظام فرما دیتے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنی بہترین حکمت عملی سے خبر رسانی اور اطلاع معلوم کرنے کے ذرائع کو نہایت فعال و مضبوط کر لیا تھا، جس کا فائدہ یہ ہوا کہ جونہی کوئی قبیلہ مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کرتا آپ ﷺ اس سے پہلے ہی کمربستہ ہو کر مقابل کے سامنے آجاتے۔ یوں نہ صرف دشمن کی سرکوبی اور اسلام کو فتح ہوتی بلکہ آپ ﷺ نت نئے علاقوں میں جاتے جس سے تبلیغ و

سفارتی تعلقات کو فروغ ملتا۔ وفود کی آمدورفت مکتوبات کی ترسیل و دیگر اہم معاملات کے کام امن و جنگ دونوں زمانوں میں جاری رہتے تھے۔

آپ ﷺ ہمیشہ دشمن کو اپنے سر پر سمجھ کر تیار اور کمر بستہ رہتے تھے۔ اس معاملے میں آپ ﷺ کے جرأت مندانہ فیصلے مدینہ منورہ جیسی نوزائیدہ مملکت کی تقویت کا باعث بنے۔ آپ ﷺ حجاز دو ماہ رہے۔ یہ پیش قدمی ایک قسم کی مکہ کے دروازے پر دستک اور قریش کے لیے ایک تازیانہ تھی۔ انہیں پتہ چل گیا تھا کہ جو دوسروں پر حملہ آور کرتے ہیں ان پر بھی حملہ ہو سکتا ہے۔ اس سفر سے قریش مکہ کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ شام جانے کے لیے ان کا یہ تجارتی راستہ مکمل طور پر مسدود ہو گیا ہے۔

❁❁❁

سفرِ سویق

رات کے سیاہ اندھیرے میں ایک سوار چھپتا ہوا بڑی راز داری سے مدینہ میں داخل ہوا، وہ سیدھا یہودیوں کی بستی میں حی بن الخطب کے مکان پر پہنچا اور دستک دی۔ حی نے دروازے کی اوٹ سے دیکھا اور سوار کو پہچان گیا مگر اس نے دروازہ نہ کھولا بلکہ اندر سے ہی کہلوا بھیجا کہ آنے والے کو کہہ دیا جائے کہ حی گھر پر نہیں ہے۔ سوار بے نیل مرام وہاں سے بنونضیر کے رئیس سلام دین مشکم کے دروازے پر جا پہنچا۔ سلام نے نووارد کا استقبال نہایت گرم جوشی سے کیا، اور اس کی مہمان نوازی میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ سوار اسلام کا دشمن اور ابوسفیان تھا، جو غزوہ بدر میں ابو جہل کے قتل ہونے کے بعد قریش مکہ کا سردار مقرر ہوا تھا۔ اس کے سر پر بدر میں اپنے ستر آدمیوں کے قتل کے بدلے کی دھن سوار تھی۔ اس نے نذر مان لی تھی کہ جب تک مسلمانوں سے انتقام نہیں لے لوں گا نہ اپنے سر پر پانی ڈالوں گا نہ تیل ڈالوں گا۔

ذیقعدہ 2ھ میں ابوسفیان اپنے عہد کو پورا کرنے کے لیے دو سو شتر سواروں کا ایک رسالہ لے کر مدینہ کی جانب روانہ ہوا۔ حالانکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنا کوئی آسان بات نہیں۔ انتقام کے لیے وقت کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اس کو یہودیوں اور مسلمانوں کی مخالفت کے سہارے اور وسیلے سے وہ یہودیوں کے گھر مہمان ٹھہرا کیونکہ اس کا خیال تھا۔ یہودی جس طرح درپردہ انہیں مسلمانوں سے مقابلہ آرائی پر اکساتے ہیں، اسی طرح مقابلے کی صورت میں وہ مدد بھی کریں گے۔ اسی

امید پر اس نے اپنے سپاہوں کو مدینہ سے تین میل دور جا کر الکدر پر ٹھہرایا، اور خود رات کے اندھیرے میں یہودیوں کے ٹھکانوں پر پہنچا لیکن یہودیوں کے ایک سردار حی بن الخطب نے تو اسے دیکھ کر گھر سے نکلنا بھی گوارہ نہ کیا۔ یہودی قوم شرارت پر اکسانا تو جانتی تھی لیکن کھلم کھلا مسلمانوں کے مقابلے میں قریش کا ساتھ ایسے حالات میں نہیں دینا چاہتے تھے، کیونکہ ایک تو یہ قبائل مدینہ میں رہتے تھے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ان کا میثاق ہو چکا تھا۔ ابوسفیان حی بن الخطب کے گھر سے مایوس ہوا تو سلام بن مشکم کے پاس گیا اس کا مقصود تو بدلہ لینا تھا۔ اس لیے وہ کسی بھی دروازے پر دستک دینے کے لیے تیار تھا۔ سلام نے اپنے قریش مہمان کی بہت پذیرائی کی۔ رات بھر عیش ونشاط کی محفل جمی۔ اسی دوران اصل مدعا پر بھی گفتگو ہوئی۔

اس نے مسلمانوں کے تمام راز اور ارادے جن سے وہ آگاہ تھا، ابوسفیان کو بتائے اور ساتھ یہ بھی سمجھایا کہ ان حالات میں جب کہ مسلمان بدر میں فتح یاب ہو چکے ہیں ان کے ساتھ جنگ کرنا فائدے کی بجائے نقصان دہ ثابت ہوگا۔ اس کے لیے مناسب وقت کا انتظار ضروری ہے۔ ابوسفیان نے سلام کی بات سے اتفاق کیا اور رات بھر مدینہ میں قیام کے بعد صبح اپنی قیام گاہ پر پہنچ گیا۔

ابوسفیان سلام بن مشکم کے گھر سے بھی بے مراد نکلا جس کا اسے افسوس تھا، مگر اس کو میزبان کی مہمان داری کی خوشی بھی بہت تھی۔ وہ ایک عرصہ تک اپنے حلقہ احباب میں کہتا رہا:

''سلام نے جو شراب مجھے پلائی وہ مدتوں مجھے یاد رہے گی۔''

ابوسفیان مکہ سے قصاص بدر لینے کا عہد لے کر چلا تھا لہٰذا اس عہد کو کسی نہ کسی شکل میں نبھانا اس کے لیے لازم تھا۔ اپنی خوئے انتقام سے مجبور ہو کر اس نے واپس

لوٹنے سے پہلے مدینہ کے نواحی گاؤں عریض میں ایک صحابی حضرت سعد بن عمر انصاری رضی اللہ عنہ اور مسلمانوں کے نخلستانوں اور مکانوں کو آگ لگا دی۔ یہ حرکت کرنے کے بعد وہ اپنے تئیں یہ سمجھ بیٹھا کہ اس نے انتقام لے لیا ہے۔

نبی ﷺ کو جب ابوسفیان کی مدینہ میں آمد، عریض کی بربادی اور حضرت سعد بن عمر رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا نگران مقرر کیا اور خود اپنے مجاہدوں کو لے کر ابوسفیان کے تعاقب کو نکل پڑے۔ یہ سفر غزوہ سویق کا سبب بنا۔ انتقام کی آگ میں اندھا ابوسفیان عریض میں قتل و آتشزدگی تو کر بیٹھا لیکن اسے جونہی مسلمانوں کے تعاقب کی خبر ملی وہ اپنے ساتھیوں سمیت سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑا ہوا، اور بدحواسی میں اپنے ساتھ لایا ہوا سامان رسد جن میں جو کے ستوؤں کے توڑے تھے وہ راہ میں ہی پھینک گیا۔

نبی ﷺ جب الکدر پہنچے تو ابوسفیان بھاگ چکا تھا۔ مسلمانوں کو اس کے گرائے ہوئے ستو ملے جن پر آپ ﷺ کے حکم سے قبضہ کر لیا گیا۔ عربی میں سویق ستو کو کہتے ہیں۔ اسی بنا پر اس معرکہ کو غزوہ السویق کے نام سے موسوم کیا گیا۔

❀❀❀

بنو غطفان کی طرف سفر

بنو غطفان،، بنی ثعلبہ اور بنو محارب پر مشتمل نجد کا بہت بڑا قبیلہ جس کے بارے میں نبی رحمت ﷺ کو خبر ملی کہ یہ لوگ گردونواح میں ڈاکہ زنی، لوٹ مار اور قتل وغارت کی نیت سے ''مقام ذی امر'' میں جمع ہو رہے ہیں۔ اس خبر کے ملنے کے بعد آپ ﷺ نے بنو غطفان کی طرف سفر کا آغاز کیا اور ان قبائل کی سرکوبی کے لیے چار سو پچاس سواروں کا ایک عسکری دستہ تیار کیا اور ان کو لے کر ''ذی امر'' کی طرف روانہ ہوئے لیکن آپ ﷺ کی خدائی فوج کے پہنچنے سے پہلے ہی دونوں قبائل کے لوگ بھاگ کر پہاڑوں کے غاروں اور گھاٹیوں میں روپوش ہو گئے۔

بنی ثعلبہ کا ایک آدمی مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہوا اور آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ حضور ﷺ نے اپنے دینی دستور کے عین مطابق اس شخص کو اسلام کی دعوت دی جو اس نے قبول کر لیا اور مسلمان ہو گیا۔ آپ ﷺ نے اس کی رہائی کا حکم صادر فرما کر اس کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی ہم نشینی میں دے دیا کہ وہ اس کی تربیت کر کے اس کو سلام کی تعلیم سے بہرہ ور کریں۔

مسلمان فوج جس وقت ''مقام ذی امر'' پر پہنچی تھی، اس مقام پر تھوڑی ہی دیر بعد موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ اہل قافلہ کے لباس بالکل بھیگ گئے۔ بارش رکی تو سب مسلمانوں نے اپنے اوپری لباس اتار کر درختوں پر سوکھنے کے لیے پھیلا دیے۔ رسول

اللہ ﷺ بھی اسی درخت کے زیر سایہ آرام فرمانے کے لیے لیٹ گئے۔

اسی درخت کے نیچے آرام فرمانے کے دوران دعثور بن حارث جو کہ محارب قبائل کا سرغنہ اور بہادر و دلیر آدمی تھا۔ اپنے ساتھیوں اور شیطان کے بہکاوے سے آپ ﷺ کو قتل کرنے آیا۔ جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ دعثور جب مسلمان ہو گیا، اور واپس اپنے قبائل میں گیا تو اس کے اقرباء نے اس سے پوچھا:

"اے دعثور! جب تم محمد (ﷺ) کے اتنے قریب پہنچ گئے تھے، اور تم نے انہیں سویا ہوا اور اکیلا پایا پھر تم نے انہیں قتل کیوں نہیں کیا؟"

دعثور بولا:

"ساتھیوں میں جب محمد (ﷺ) کے قریب پہنچا تو ایک بلند و بالا قامت اور نہایت قوی مرد سفید لباس میں ملبوس میرے اور ان (ﷺ) کے درمیان آ کھڑا ہوا، اس نے میرے سینے پر ایسا ہاتھ مارا کہ میں گر پڑا' تلوار میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور مجھ پر ہیبت طاری ہو گئی۔ پھر محمد (ﷺ) نے مجھ پر غلبہ حاصل کرنے کے باوجود اپنے حسن سلوک سے مجھے بخش دیا اسی لیے میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ تم لوگ بھی راہ حق پر چلنے کے لیے دامن محمدی (ﷺ) تھام لو اور خدا کے رضا جو بن جاؤ۔"

نبی کریم ﷺ نے مقام "ذی ام" پر گیارہ دن قیام کیا، لیکن بنی ثعلبہ اور بنو محارب کا کوئی شخص آگے بڑھنے کی ہمت نہ کر سکا اور سب کے سب فرار ہو گئے۔ جب اچھی طرح اطمینان ہو گیا تو شافع محشر نبی کریم ﷺ اپنی افواج کو لے کر واپس مدینہ تشریف لے آئے۔

مقامِ نجد کی طرف سفر

آپ ﷺ کو یہ سفر مبارک اس لیے کرنا پڑا کہ آپ ﷺ کو خبر ملی کہ بنی ثعلبہ اور محارب کی ایک جماعت زوامر میں جو کہ نجد میں ایک مقام ہے، جمع ہوئی ہے اور ان کا ارادہ ہے کہ مدینہ منورہ کے نواح سے کوئی چیز اٹھالے جائیں اور اس کا باعث ایک شرارتی آدمی غورث نامی ہے۔ اس خبر کے سنتے ہی رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ سے باہر نکلے اور سفر کا آغاز فرمایا۔

اس سفر کے دوران راستے میں جبار نامی ایک شخص ملا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے دشمن کے بارے میں خبر پوچھی تو اس نے کہا کہ وہ آپ ﷺ کے ساتھ لڑائی نہیں کریں گے بلکہ جب وہ آپ ﷺ کی خبر سنیں گے تو پہاڑوں میں بھاگ جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے جبار کو دعوت اسلام دی تو جبار نے اس دعوت کو قبول کیا، اور اسلام پر ایمان لا کر مسلمان ہوگیا۔ حضرت جبار رضی اللہ عنہ کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا ساتھی بنادیا گیا۔

اس سفر میں لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ دشمن پہاڑوں پر پناہ گزین ہو گئے، اور مسلمان ان کو دیکھتے رہے۔ اس سفر کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ اس دن خوب بارش ہوئی جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کپڑے بھیگ گئے۔ جس منزل پر پڑاؤ تھا، وہاں رسول اللہ ﷺ نے قمیض مبارک اتار کر ایک درخت پر ڈال دی تا کہ خشک ہو جائے۔ اس وقت بارش بھی تھم چکی تھی، اور رسول اللہ ﷺ اس درخت کے نیچے آرام فرمارہے تھے۔ دشمنوں نے جب رسول اللہ ﷺ کو تنہا دیکھا تو اپنے میں

سے سب سے زیادہ بہادر اور دلیر شخص غورث کو ایک تلوار دے کر بھیجا کہ اس وقت محمد (ﷺ) تنہا درخت کے نیچے آرام فرما رہے ہیں اور یہ بڑا اچھا موقعہ ہے کہ ان پر حملہ کر دیا جائے۔

چنانچہ غورث ہاتھ میں تلوار لیے چپکے سے آیا، اور رسول اللہ ﷺ کے سرہانے کھڑا ہو گیا اور بولا:

"اے محمد (ﷺ) آج کون آپ (ﷺ) کو مجھ سے چھڑا سکتا ہے؟"

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ۔"

یہ سننا تھا کہ غورث کے دل پر دہشت طاری ہو گئی، اور تلوار اس کے ہاتھ سے زمین پر گر گئی۔ حضور ﷺ نے اس کی تلوار اٹھائی اور اس کے سر پر جا پہنچے اور فرمایا:

"اب تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے؟"

غورث نے کہا:

"مجھے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شخص آپ (ﷺ) سے نہیں بچا سکتا"

اس کے بعد غورث نے کلمہ پڑھا اور اسلام قبول کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے گیارہ روز وہاں سفر میں گزارے اور پھر مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔

❀❀❀

کوہِ احد کی طرف سفر

یہ سفر غزوہ احد کے ضمن میں کیا گیا۔ اس سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ اسلامی لشکر بھی تھا۔ اس سفر میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ دونوں زرہ پہنے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے آگے چل رہے تھے۔ یہ سفر مبارک ۶ شوال ۳ھ کو درپیش ہوا اور اس سفر کی مسافت طے کرتے ہوئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منزل شیخین میں پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درشت آواز سنی کہ ایک جماعت چیختے ہوئے فریاد کر رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں؟

بتایا گیا کہ یہ عبداللہ بن ابی سلول کے یہودی ساتھی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"شرک والوں کے ساتھ مشرکین کی مدد نہ لو۔"

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مقام پر لشکر اسلام کو ملاحظہ فرمایا۔ لشکر اسلام کی گنتی فرمائی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بچوں کی ایک ٹولی کو ملاحظہ کر کے ان کو واپسی کی اجازت فرمائی۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ، حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور حضرت اسد بن ظہیر رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب کو فرمایا کہ وہ مدینہ منورہ واپس چلے جائیں۔

حضرت اسد بن ظہیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ ﷺ رافع تیر انداز ہے۔"

حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے اس وقت اپنے آپ کو اونچا کیا ہوا تھا تاکہ رسول اللہ ﷺ کی نظر میں بلند دکھائی دیں اور ان کو اپنے ہمراہ لے چلیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت رافع رضی اللہ عنہ کو ساتھ چلنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے جب یہ دیکھا کہ حضرت رافع رضی اللہ عنہ کو ساتھ چلنے کی اجازت مل گئی ہے تو حضرت بامر بن سنان رضی اللہ عنہ کو کہا:

"رافع رضی اللہ عنہ کو اجازت مل گئی ہے حالانکہ میں ان کو کشتی میں پچھاڑ سکتا ہوں۔"

حضرت بامر رضی اللہ عنہ نے یہ بات رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کی۔ رسول اللہ ﷺ نے کشتی کرانے کا حکم فرمایا اور جب انہوں نے کشتی کی تو حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت رافع رضی اللہ عنہ کو پچھاڑ دیا۔ اس پر حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کو بھی شمولیت کی اجازت مل گئی۔

رسول اللہ ﷺ نے اسی مقام پر رات گزاری۔ روایات میں آتا ہے کہ عشاء کی نماز ادا فرمانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"آج کی رات ہماری نگہبانی کون کرے گا۔"

ایک صحابی نے اٹھ کر عرض کیا:

"یارسول اللہ ﷺ! میں نگہبانی کروں گا۔"

آپ ﷺ نے پوچھا:

"تم کون ہو؟"

عرض کیا:

"زکوان۔"

ارشاد فرمایا:

"بیٹھ جاؤ۔"

دوبارہ دریافت فرمایا:

"آج رات کوئی ہماری حفاظت کرے گا۔"

ایک صحابی اٹھے اور عرض کیا:

"یارسول اللہ ﷺ میں نگرانی کے فرائض انجام دوں گا۔"

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"تم کون ہو؟"

انہوں نے عرض کیا:

"ابوسبع۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"بیٹھ جاؤ۔"

پھر تیسری مرتبہ آپ ﷺ نے پوچھا:

"آج رات ہماری پاسبانی کون کرے گا؟"

ایک صحابی اٹھے اور عرض کیا:

"یارسول اللہ ﷺ میں پاسبانی کروں گا۔"

دریافت فرمایا:

"تم کون ہو؟"

انہوں نے عرض کیا:

"ابن عبد قیس۔"

آپ ﷺ فرمایا:

"بیٹھ جاؤ۔"

تھوڑی دیر گزرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"کھڑے ہو جاؤ۔"

حضرت زکوان کھڑے ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"تیرے دوسرے دو ساتھی کہاں ہیں؟"

انہوں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ ﷺ تینوں مرتبہ میں نے ہی آپ ﷺ کو جواب دیا تھا۔"

اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان کو اجازت مرحمت فرمائی۔ چنانچہ حضرت زکوان رضی اللہ عنہ نے اپنی زرہ پہنی، ڈھال کندھے پر رکھی اور تمام رات لشکر کے گرد گھومتے رہے، اور رسول اللہ ﷺ کے خیمہ کی پاسبانی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ سو گئے۔

جب رات کا پچھلا پہر ہوا تو رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے اور ارشاد فرمایا:

"کوئی ایسا رہبر چاہیے جو راستے کو اچھی طرح جانتا ہو تاکہ وہ دشمنوں کے سر پر عمدہ راستہ سے لے جائے۔"

حضرت ابوخثمہ حارثی رضی اللہ عنہ نے اس خدمت کو سرانجام دینے کا اعلان کیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ گھوڑے پر سوار ہوئے اور ابوخثمہ رضی اللہ عنہ رہبر بنے۔ راستہ میں مجبوراً ایک منافق کے باغ کے پاس سے گزر ہوا۔ اس منافق کا نام ربع بن قبطی تھا۔ یہ ظاہری آنکھوں سے بھی اندھا تھا اور باطنی آنکھوں سے بھی اندھا تھا۔ اس اندھے کو جب رسول اللہ ﷺ کے گزرنے کی خبر ہوئی تو بدحواس ہو کر اٹھا اور لشکر اسلام کے سامنے

خاک اڑانے لگا اور کہتا جاتا:

"اگر تو اللہ کا رسول ہوتا تو میرے باغ میں داخل نہ ہوتا۔"

یہ سن کر حضرت سعید بن زید بن اشہل رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کمان اس اندھے کے سر پر زور سے ماری جس سے اس کا سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اسے چھوڑ دو۔ یہ اندھا ہے دل کا اندھا۔"

اس منافق کا تعلق بنی حارثہ سے تھا، اور لشکر اسلام میں بنی حارثہ کے کچھ لوگ بھی شامل تھے۔ وہ اس منافق کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت سعید رضی اللہ عنہ سے کہا:

"تیرا یہ طرز عمل اس دشمنی کا نتیجہ ہے جو بنی عبدالاشہل کو بنی حارثہ سے ہے جسے انہوں نے ابھی تک ترک نہیں کیا۔"

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور کہا:

"اللہ کی قسم! یہ تمہارے ساتھ دشمنی کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ تمہارے نفاق کا نتیجہ ہے۔ خدا کی قسم اگر رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمائیں تو تمہاری اور ہر اس شخص کی جو تمہاری طرح ہیں گردن اڑا دوں۔"

رسول اللہ ﷺ نے ان کو خاموش رہنے کا اشارہ فرمایا تو وہ خاموش ہو گئے اور سفر جاری رہا۔ طلوع فجر کے ساتھ احد میں پہنچ گئے۔ اس جگہ پر فجر کی نماز باجماعت ادا کی گئی۔

خیبر کی طرف سفر

اسیر بن رزام اپنے تیس ساتھیوں کو لے کر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ سوئے مدینہ چل پڑا۔ دل میں چور اور ذہن میں بدگمانیاں ہنوز موجود تھیں۔ اسے اپنی حرکتوں کا بھی علم تھا کہ اس نے مسلمانوں کے خلاف گرد و نواح میں کیسی آگ روشن کر رکھی ہے۔ احتیاط کے طور پر یہ مخلوط قافلہ اس طرح چلا کہ دو دو شخص ہمرکاب چلتے تھے جن میں ایک یہودی اور دوسرا مسلمان ہوتا تھا۔

جیسے جیسے یہ قافلہ خیبر سے دور ہوتا جا رہا تھا اسیر بن رزام کے دل و دماغ میں اندیشوں اور خدشوں کا ہجوم بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔ جب یہ لوگ قرقرہ پہنچے تو انہیں بدگمانیوں اور سوچوں کے زیر اثر ابن رزام نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی تلوار چھیننی چاہی جو اس کے قریب چل رہے تھے۔

"اے دشمن خدا، بدعہدی کرنا چاہتا ہے۔"

انہوں نے کہا اور اپنی سواری بڑھائی۔ جب اسیر بن رزام زد پر آ گیا تو تلوار سے اس پر وار کیا جس سے اس کی ران کٹ گئی۔ زخمی ہو کر جب وہ گھوڑے سے گرا تو گرتے گرتے اس نے حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو بھی زخمی کر دیا۔ بس پھر کیا تھا۔ تلواریں نیاموں سے باہر آ گئیں اور جنگ چھڑ گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہودی ایک ایک کر کے جہنم واصل ہونے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں سوائے ایک یہودی کے سب کا صفایا ہو گیا۔ اس نے راہِ فرار اختیار کی اور واپس خیبر جا کر صورت حال سے اپنی قوم کو

آگاہ کیا۔ وہاں اور اس کے حلیف قبائل میں مسلمانوں کے خلاف زبردست تحریک شروع ہوگئی۔

ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے کہ حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور تمام ماجرا عرض کیا۔ اب جنگ کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کیونکہ شمال میں مسلمانوں کے خلاف ابھرنے والی تحریک کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

❁

اسی دوران بنی فزادہ کے چند آدمیوں نے ذی قرد کی چراگاہ پر حملہ کیا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مویشی چرا کرتے تھے۔

ان کا سردار ابن عیینہ تھا۔ مویشیوں اور اونٹنیوں کی حفاظت پر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے متعین تھے۔ حملہ آوروں نے انہیں شہید کر دیا اور ان کی بیوی کو گرفتار کر لیا۔ بیس اونٹنیاں بھی پکڑ لیں اور رفو چکر ہو گئے۔

مسلمانوں نے جب ان کا تعاقب کیا تو وہ لوگ ایک درے میں گھس گئے۔ وہاں عیینہ ابن حصن جو قبائل غطفان کا سردار تھا۔ ان لوگوں کی مدد وحمایت کے لیے موجود تھا۔

اس غارت گری کی خبر سب سے پہلے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کو ہوئی۔ بڑے زبردست تیرانداز تھے۔ وہ ان کے تعاقب میں لپکے۔ انہوں نے ایک جوشیلا نعرہ مارا اور دوڑ کر حملہ آوروں کو جا لیا۔ اس وقت وہ اونٹوں کو پانی پلا رہے تھے۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے تیر برسانا شروع کر دیے۔ وہ لوگ آپ رضی اللہ عنہ کے حملے کی تاب نہ لا سکے تو راہِ فرار اختیار کی۔ آپ رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے گئے اور لڑ بھڑ کر اونٹنیاں چھڑا لیں اور بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر سارا ماجرا عرض کیا اور کہا:

"میں دشمنوں کو پیاسا چھوڑ آیا ہوں۔ اگر سو آدمی مل جائیں تو ایک ایک آدمی کو گرفتار کر لاتا ہوں۔"

رسول اللہ ﷺ نے سماعت فرمایا تو رحمۃ اللعالمین ہونے کے لحاظ سے ارشاد فرمایا:

"قابو پا جاؤ تو عفو سے کام لو۔"

بنو فزادہ غطفان کا ایک طاقتور قبیلہ تھا۔ اس کو جب اس بات کا علم ہوا کہ اہل خیبر مدینہ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں تو از خود خیبر پہنچے اور کہا کہ وہ بھی یہود کی طرف سے لڑیں گے۔ حضور نبی کریم ﷺ کو علم ہوا تو ان کے نام ایک خط مبارک ارسال کیا۔ لکھا تھا:

"تم خیبر والوں کی مدد و اعانت سے دست کش ہو جاؤ۔ خیبر فتح ہونے کے بعد تم کو بھی اس میں سے حصہ دیا جائے گا۔"

لیکن بنو فزادہ کی بدبختی کہ بات سمجھ میں نہ آئی۔ طاقت کا گھمنڈ انہیں دوسرے انداز سے سوچنے ہی نہیں دیتا تھا۔ لہٰذا اس نے حضور اکرم ﷺ کی پیشکش کو ٹھکرا دیا۔

نبی کریم ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ اشارہ میں بات فرمایا کرتے تھے، لیکن اس مرتبہ صاف صاف بتا دیا اور ارشاد فرمایا:

"غزوہ کی تیاری کرو کیونکہ ہم خیبر کی طرف جانے والے ہیں۔"

اس کی وجہ یہ تھی کہ حدیبیہ سے واپسی پر سورۃ فتح میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو بشارت دی تھی کہ بہت سے غنائم دیں گے، اور ان وعدہ غنائم کو فتح خیبر پر محمول فرمایا اور پندرہ دن کے بعد جنگ کی تیاری کر کے خیبر کی طرف سفر کا حکم فرما دیا۔

❁

چھیانوے میل کا سفر تین دنوں میں طے کرنے کے بعد وادی خرصہ کے راستے رسول اللہ ﷺ خیبر کے قلعوں کے درمیان تشریف لائے۔ اس وقت رات کا وقت تھا۔ جب خیبر کی بستی پر نگاہ مبارک پڑی تو فوج سے رکنے کو فرمایا اور بارگاہِ رب

العزت میں دعا فرمائی:

"اے اللہ، ہم تجھ سے اس گاؤں کی اور گاؤں کی چیزوں کی بھلائی چاہتے ہیں، اور ان سب کی برائیوں سے پناہ مانگتے ہیں۔"

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی دعا پڑھنے کے لیے فرمایا۔ بعد ازاں آپ ﷺ اس مقام پر تشریف لے گئے جسے منزلہ کہتے ہیں۔ یہاں اقامت فرمائی۔ ایک جگہ نماز کے لیے متعین فرمائی۔ نماز تہجد ادا کی۔ فجر کی نماز بہت تڑکے پڑھی اور پھر خیبر کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ علی الصباح پیش قدمی فرماتے تھے۔

جب سے یہود خیبر نے مسلمانوں کی آمد کی خبر سنی تھی بڑے چوکس ہو گئے تھے۔ ہر رات چند مسلح سوار دیکھ بھال کے لیے باہر نکلتے اور رات بھر گھومتے رہتے تھے، لیکن جس روز اللہ کے محبوب ﷺ تشریف لائے اس دن نیند نے شدید غلبہ کیا۔ لمبی تان کے سوتے رہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس دن مرغوں نے بانگیں بھی نہ دیں اور چوپائے بے حس و حرکت پڑے رہے۔ جب آفتاب طلوع ہوا تو لوگوں کی آنکھ کھلی۔ جب وہ کاروبار زندگی اور بیلچے کدال لے کر کھیتوں میں جانے کے لیے گھروں سے نکلے تو اچانک اسلامی لشکر پر ان کی نگاہ پڑی تو بوکھلاہٹ سے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ سینوں میں دم گھٹتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ عالم سراسیمگی میں یہ کہتے ہوئے بھاگے:

"محمد (ﷺ) فوج کے ساتھ ہے۔"

اور قلعہ بند ہو گئے۔ نبی کریم ﷺ نے دیکھا تو تکبیر بلند فرمائی اور جب آپ ﷺ خیبر کی طرف متوجہ ہوئے تو مسلمانوں نے بلند تکبیر کہی، جس سے سرزمین خیبر لرز اٹھی اور یہود کے دل سینوں کے اندر ڈوبنے لگے۔ حالانکہ ان کے قلعے بڑے مضبوط تھے جو چٹانوں اور پہاڑوں پر تھے۔ ان میں بیس ہزار جنگ آزما کیل کانٹے سے لیس موجود تھے، اور منجنیقیں ان کے پاس تھیں جو جنگ کے دوران انہوں

نے استعمال کی تھیں۔

یہود کا لشکر قلعوں میں بند ہو چکا تھا کہ سلام بن مشکم کو مسلمانوں کی آمد کی خبر ہوئی۔ وہ یہود کا سردار اور بزرگ تھا۔ ضعف و ناتوانی اور بیماری کے باوجود قلعہ نطاۃ میں آیا اور قوم سے مخاطب ہو کر کہا:

”ابتداء میں جو کہا تھا تم نے اس پر عمل نہیں کیا۔ جہاں تک ہو سکے جنگ وقتال میں کوشش کرو۔ یاد رکھو جنگ میں قتل ہونا قید ہو کر ہلاک ہونے سے بہتر ہے۔“

اس کے ولولہ انگیز خیالات سن کر یہود لڑنے مرنے پر تیار ہو گئے۔ بہت سے بہادر قلعہ نطاۃ میں جمع ہو گئے، لیکن مسلمانوں کے ہاتھوں اس قلعہ کو فتح ہونے سے قبل ہی سلام بن مشکم جہنم رسید ہو گیا تھا۔

نبی کریم ﷺ نے بھی مسلمانوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”اجر آخرت، بلندی درجات اور بے حد وحساب ثواب و اجر تمہاری راہ تک رہا ہے۔ فتح و نصرت تمہاری منتظر ہے۔ اگر تم ثابت قدم رہے۔“

مسلمانوں کا جوش دیدنی تھا۔ قلعوں کا محاصرہ کر لیا گیا، اور تیر اندازی شروع ہو گئی۔ دوسری طرف سے بھی تیر برسائے گئے اور منجنیقوں سے بڑے بڑے پتھر پھینکے گئے۔

جب مختلف محاذوں پر جنگ جاری تھی تو اسی دوران سلام بن مشکم کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تو اس کے بعد حاث بن ابی زینب نے قیادت کی باگ ڈور سنبھالی۔ وہ قلعہ ناعم سے مقابلہ کے لیے نکلا لیکن بنی خزرج کی پامردی نے اسے پلٹ جانے پر مجبور کر دیا۔

قلعہ ناعم کے بعد جنگ کے شعلے خوب بھڑک اٹھے۔ قلعہ غموص کے محاصرہ میں مسلمان مصروف تھے کہ نبی کریم خود کو دردسر کا عارضہ ہو گیا۔ اس لیے بہ نفس نفیس خود

لشکر اسلام کی کمان کرنے تشریف نہ لے جا سکے۔ ہر روز کسی ایک مہاجر و انصار کے بزرگ کو کمان سپرد فرماتے۔ قلعہ غموص بہت مضبوط اور ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ ایک دن حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں جنگ ہوئی مگر قلعہ فتح نہ ہوا۔ دوسرے دن حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کو امیر العسکر بنا کر بھیجا گیا۔ فتح اب بھی نصیب نہ ہوئی۔ تیسرے دن پھر حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کو کمان سونپی گئی۔ شدید جنگ ہوئی مگر قلعہ فتح نہ ہوا۔ ایک دن نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"کل اس کو جھنڈا دوں گا جو پلٹ پلٹ کر دشمن پر حملہ کرے گا۔ اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) اسے پسند فرماتا ہے اور اللہ اس پر فتح فرمائے گا۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ ان دنوں آشوبِ چشم میں مبتلا تھے۔ ان کی آنکھیں اس شدت سے درد کرتی تھیں کہ اپنے پاؤں تک نہ دیکھ سکتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رات یہی سوچتے گزری کہ دیکھیں کل کس کے نصیب جاگتے ہیں۔ جب دوشیزہ صبح نے اپنے رخ تاباں سے ماحول میں روشنی بھر دی تو جنگ آزما، بہادرانِ لشکر اسلامی، بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر بیٹھ گئے کہ دیکھیں علم کسے ملتا ہے۔ ہر ایک جانباز بہادر آس لگائے بیٹھا تھا۔ حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس دن کے علاوہ میں نے کبھی امارت کو پسند نہیں فرمایا۔ حضور نبی کریم ﷺ اپنے خیمے سے باہر تشریف لائے۔ سپہ سالارانِ لشکر پر نگاہ دوڑائی۔ پوچھا:

"علی (رضی اللہ عنہ) کہاں ہیں؟"

بتایا گیا۔

"یارسول اللہ ﷺ، وہ آشوبِ چشم کے درد میں مبتلا ہیں۔"

"ان کو میرے پاس لاؤ۔"

آپ ﷺ نے فرمایا تو حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ گئے اور ان کو ہاتھ سے پکڑ کر نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں لائے۔ آپ ﷺ نے ان کا سر اپنی ران مبارک پر رکھا اور اپنا لعاب دہن مبارک ان کی آنکھ میں لگایا۔ اسی وقت آشوب چشم جاتا رہا اور شفائے کلی حاصل ہوگئی۔ اس کے بعد انہیں کبھی آنکھ اور سر کا درد لاحق نہیں ہوا۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے یہ بھی دعا کی:

"اے اللہ، علی (رضی اللہ عنہ) سے گرمی اور سردی دونوں کو دور رکھ۔"

حضرت ابن ابی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

"اس دعا مبارک کے بعد اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ سخت گرمی میں روئی کا لباس اور سخت سردی میں باریک لباس زیب تن فرماتے تو انہیں کوئی نقصان نہ پہنچتا تھا۔"

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مرض جاتا رہا تو نبی کریم ﷺ نے انہیں اپنی خاص زرہ پہنائی اور ذوالفقار تلوار ان کی میان میں باندھی اور فرمایا:

"جاؤ، التفات نہ کرنا جب تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھ پر قلعہ فتح نہ فرما دے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اٹھالیا اور محاذِ جنگ پر جانے کے لیے تیار کھڑے ہو گئے۔ اسلامی لشکر اپنے امیر کے اشارے کا منتظر تھا۔ کب روانگی کا حکم ملتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا:

"یارسول اللہ ﷺ، میں یہود کے ساتھ جنگ کروں گا اگر وہ ہماری طرح مسلمان ہو جائیں۔"

"ہاں، سیدھا چلا جا۔ یہاں تک کہ ان کے میدان میں جا اترے۔ پھر یہود کو اطلاع دے۔ اگر تیرے طفیل ان میں سے اللہ تعالیٰ

ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو تیرے لیے اللہ کی راہ میں سرخ اونٹ قربان کرنے سے بہتر ہے۔"

اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اذن ملتے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے میدانِ جنگ کی طرف کوچ فرمایا۔ان کے ساتھ ہی اسلامی لشکر حرکت میں آ گیا۔آج بھی رخ قلعہ غموص کی طرف تھا۔جو سب سے زیادہ مستحکم، جنگجو یہودیوں سے بھرا ہوا کئی دنوں سے فتح نہیں ہو رہا تھا۔آپ رضی اللہ عنہ نے قلعہ کے نواح میں پہنچ کر جھنڈے کو قریب ہی ایک ٹیلے پر نصب کر دیا۔قلعے کے اوپر موجود یہودی دیکھ رہے تھے۔ان کے ایک عالم نے اونچی آواز سے پوچھا:

"اے صاحب علم تم کون ہو؟"

"میں علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) ہوں۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔یہودی عالم نے سنا تو اپنی قوم سے مخاطب ہو کر بولا:

"توریت کی قسم، یہ شخص قلعہ فتح کیے بغیر نہیں لوٹے گا۔"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اسی اثناء میں مرحب کا بھائی حارث قلعہ سے باہر نکلا اور آتے ہی حملہ کر دیا، اور دو مسلمانوں کو شہید کر دیا۔جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو بجلی کی سرعت سے حارث کے سر پر پہنچ گئے اور ایسا بھرپور وار کیا کہ سیدھا جہنم رسید ہو گیا۔ مرحب کو جب اپنے بھائی کے قتل کا علم ہوا تو غصے سے خون اس کی رگوں میں تیز ہو گیا۔ خیبر کے بہادروں کے ہمراہ قلعہ سے باہر آیا۔غیض و غضب کے آثار اس کے چہرے سے عیاں تھے۔اس نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں۔دو تلواریں کمر میں لٹکائی ہوئی تھیں اور سر پر دو عمامے باندھ کر اوپر خود پہنا ہوا تھا۔میدان میں آ کر اس نے رجز پڑھا:

"خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں۔سلاح پوش، تجربہ کار جنگجو ہوں۔

میں کبھی نیزہ چلاتا ہوں اور کبھی تلوار۔ جب شیر آگے بڑھتے ہیں تو
غصے سے بپھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ میری چراگاہ یقیناً ایک
ایسی چراگاہ ہے جس کے قریب بھی آنا محال ہے۔ میرے رعب
داب سے تجربہ کار جنگجو پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ لپک کر مرحب کے مقابل آگئے اور رجز پڑھا:

"میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا۔ ضرغام ہوں،
اجام ہوں اور حملہ آور لیث ہوں۔"

مرحب نے جب ضرغام، اجام اور لیث کے الفاظ سنے جو شیر کے مترادف المعنی تھے تو اسے اپنا خواب یاد آگیا کہ اسے ایک شیر نے مار دیا ہے۔ شیر خدا کے روپ میں مرحب کی موت سامنے کھڑی تھی۔ واپس لوٹے تو جوانمردی پر داغ لگتا ہے۔ آگے بڑھے تو موت نظر آتی ہے، لیکن اس کے بغیر چارہ کار نہ تھا۔ پیش دستی کر کے چاہتا تھا کہ مدمقابل شیر خدا پر تیغ سے حملہ کر دے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سبقت فرما کر فضا میں اچھلے اور ضرب ذوالفقار اس ملعون کے سر پر ایسی لگائی کہ خود کو کاٹ کر زرہ کی زنجیریں کاٹتی ہوئی حلق تک آگئی۔ وہ گرا، تڑپا، مچلا اور دم توڑ دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عام جنگ کا حکم دے دیا۔ مسلمان یہودیوں پر ٹوٹ پڑے۔ تنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہودیوں کے سات بہادروں کو قتل کیا۔ وہ شکست کھا کر قلعہ کی طرف پلٹے اور بھاگے اور گیدڑوں کی موت مرنے لگے۔ الامان الامان کی صدائیں بلند کرنے لگے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک مجاہد کے ذریعے حضور نبی کریم ﷺ سے اجازت طلب کی اور ان کی اجازت سے اہلِ خیبر کو امان دے دی گئی۔ یہ آخری قلعہ تھا۔ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ شیر خدا کے ہاتھوں فتح ہوا اور اس کے بعد سارا خیبر نبی کریم ﷺ کے زیر تسلط آگیا۔

قلعہ غموص کو فتح کرنے کے بعد جب حضرت علی رضی اللہ عنہ واپس تشریف لائے تو

سرورکونین ﷺ اپنے خیمے سے باہر تشریف لائے، ان کی دونوں آنکھوں کے مابین بوسہ دیا اور فرمایا:

"مجھے تمہاری مشکورانہ تعریفیں پہنچیں اور تمہاری بہادریاں بیان ہوئیں۔ بیشک اللہ ان سے راضی ہوا اور میں تم سے راضی ہوا۔"

یہ سنا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"علی (رضی اللہ عنہ)، یہ رونا خوشی کا ہے یا غم کا؟"

انہوں نے عرض کی:

"یارسول اللہ ﷺ، یہ گریہ خوشی کا ہے۔ اس سے بڑھ کر خوشی اور کیا ہو گی کہ آپ ﷺ مجھ سے راضی ہیں۔"

قلعہ غموص کا حاکم کنانہ بن الحقیق تھا۔ قلعہ سے سو زرہوں، چار سو تلواروں، ہزار نیزوں اور پانچ سو کمانوں کے علاوہ بے شمار ساز و سامان ہاتھ آیا تھا۔ نبی کریم ﷺ قلعہ میں تشریف لائے اور سب کو اکٹھا کیا۔ کنانہ سے دریافت فرمایا:

"ابی! الحقیق کا خزانہ کہاں ہے؟"

وہ بولا:

"اے ابوالقاسم (ﷺ)، وہ سب تو سامانِ جنگ کی فراہمی اور دوسری ضروریات پر خرچ ہو گیا۔"

اور قسم کھالی۔

"اگر جھوٹ ثابت ہو گیا تو تمہارا خون جائز ہو گا اور ہماری امان سے نکل جاؤ گے۔"

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اور اس پر شیخین اور اسد اللہ رضی اللہ عنہ اور یہود کی ایک

جماعت کو گواہ بنالیا۔

"کنانہ، محمد (ﷺ) جو طلب فرماتے ہیں دے دو اور تم جانتے ہو ورنہ اللہ تعالیٰ انہیں مطلع فرمادے گا۔"

کنانہ کی قوم کے ایک فرد نے کہا مگر اس نے توجہ نہ دی اور اپنی بات پر اڑا رہا حالانکہ اس نے نطاۃ قلعہ کی فتح کے موقعہ پر سونا، زیور اور جواہرات ایک اونٹ کی کھال میں بھر کر ایک ویرانے میں دفن کر دیے تھے۔

"تجھے خزانے کی کوئی خبر ہے۔"

نبی کریم ﷺ نے سلام بن ابی الحقیق کے لڑکے ثعلبہ سے دریافت فرمایا۔

"حضور ﷺ، میں اتنا جانتا ہوں کہ کنانہ فلاں خرابے میں گھومتا رہتا ہے۔ شاید خزانہ وہاں ہو۔"

اس پر آپ ﷺ نے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ اس ویرانہ میں بھیجا جہاں سے خانہ مل گیا، اور اس کی غداری اور جھوٹ ظاہر ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ نے کنانہ کو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا اور انہوں نے اپنے بھائی کے قتل کے عوض اس کی گردن ماردی۔

خیبر کے علاقے سے مسلمانوں کو بے شمار مال و اسباب، چوپائے اور قیدی حاصل ہوئے۔ ان میں کنانہ کی بیوی بھی تھی۔ آپ ﷺ نے حضرت فردہ بن عمرو بیانی تمام غنائم، ساز و سامان اور قیدیوں کو قلعہ نطاۃ میں جمع کرنے کا حکم دیا اور منادی کرا دی کہ اگر کسی کے پاس ایک رسی یا سوئی بھی ہو تو واپس کر دے ورنہ خیانت تصور ہوگی۔

حسب حکم قلعہ نطاۃ میں سب کو جمع کر دیا گیا۔ ایک شخص نے مدعم نامی ایک غلام کو آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ وہ اپنا سامان اتار رہا تھا کہ ایک تیر آیا جو اسے آ کر لگا اور اسی سے جاں بحق ہو گیا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ تیر کہاں سے آیا۔ لوگوں نے کہا:

”یہ غلام مستحق جنت ہوگیا کیونکہ اس نے محبوب کبریا ﷺ کی بڑی خدمت کی تھی۔“

آپ ﷺ نے سماعت فرمایا تو ارشاد فرمایا:

”اب اس پر آتش دوزخ لپیٹ مار رہی ہے کیونکہ تقسیم غنیمت سے پہلے اس نے ایک چادر لے لی تھی۔“

❀❀❀

دومۃ الجندل کی طرف سفر

اس سفر پر رسول اللہ ﷺ ۲۵ ربیع الاول ۵ ھ کو روانہ ہوئے۔ دومۃ الجندل کا مقام مدینہ منورہ سے تیرہ چودہ روز کی مسافت پر شمال کی جانب واقع ہے۔ اس سفر کا سبب یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر ملی کہ دومۃ الجندل کے مقام پر ایک جماعت اکٹھی ہوگئی ہے جو کہ مسافروں کو بہت تکلیف پہنچاتی، اور اکیدر بن مالک نصرانی اس جگہ کا حاکم ہے اور وہ قیصر کے زیر فرمان ہے اور اس نے بہت سی فوج جمع کر رکھی ہے تاکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ لڑائی کرے۔ رسول اللہ ﷺ اس کی سرکوبی کے لیے مدینہ منورہ سے نکلے اور دومۃ الجندل کی طرف سفر کا آغاز فرمایا۔ لشکر اسلام بھی ہمراہ تھا۔

اس سفر کے لیے رسول اللہ ﷺ نے ایک رہبر کا تقرر بھی فرمایا تاکہ مختصر راستوں سے ہوتے ہوئے جلد از جلد منزل تک پہنچا جا سکے۔ رات کو سفر کرتے اور دن کے وقت راستہ سے ایک طرف ہو جاتے اور قیام فرماتے تھے۔ جب ایک دن کا سفر رہ گیا تو رہبر نے عرض کیا:

"یارسول اللہ ﷺ! مخالفین کے مویشی نزدیک ہیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے دشمنوں کے مویشی پکڑنے اور ان کا سامان ضبط کرنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ مسلمان اس مقصد کے لیے آگے بڑھے۔ یہ دیکھ کر دشمن کے مویشی چرانے والوں اور سامان کے محافظوں نے ادھر ادھر بھاگ کر قلعہ دومۃ الجندل میں جا کر پناہ لی اور وہاں کے باشندوں کو صورت حال سے خبردار کیا۔ وہاں کے لوگ بھی

بھاگ اٹھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں پر چند یوم تک قیام فرمایا۔کوئی بھی شخص مقابلے پر نہ آیا۔اس مقام پر قیام کے دوران حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے دشمنوں کے ایک شخص کو گرفتار کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کیا۔رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے اس کی قوم کے بارے میں خبر دریافت فرمائی۔اس نے بتایا کہ جب انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے کی خبر سنی تو وہ اپنے گھروں کو چھوڑ کر تیزی سے بھاگ نکلے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کو اسلام کی دعوت دی جو اس نے قبول کی اور مسلمان ہو گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں پر چند روز قیام فرمایا اور پھر واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔اس سفر کی مدت ایک ماہ سے زیادہ تھی۔

❀❀❀

مریسیع سے واپسی کا سفر

یہ سفر آپ ﷺ کو شعبان ۵ ھ کو درپیش ہوا۔ یہ غزوہ بنی المصطلق سے واپسی مدینہ منورہ کی جانب سفر تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ لشکر اسلام کے ساتھ مریسیع کے مقام سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہونے لگے تو اس مقام پر واپسی کے دوران یہ واقعہ پیش آیا۔

یہ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ سنان بن جہنی جو قبیلہ خزرج کی طرف سے عمرو بن عوف کا حلیف تھا، اور جہجاہ بن سعید غفاری جو کہ حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کے اجیر و مزدور تھے' ان دونوں کے مابین ایک معمولی سی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ ہوا یوں کہ دونوں کے ڈول ایک کنویں میں گر گئے اور یہ دونوں ڈول ایک دوسرے سے ملتے جلتے تھے۔ ان دونوں میں سے ایک ڈول نکل آیا۔ سنان نے کہا کہ یہ میرا ڈول ہے اور جہجاہ نے کہا یہ میرا ڈول ہے۔ اصل میں یہ ڈول سنان کا تھا۔ بات بڑھتے بڑھتے جھگڑے تک جا پہنچی اور جہجاہ نے ایک زبردست گھونسہ سنان کے چہرے پر مار دیا جس سے ان کے منہ سے خون بہنے لگا، اور اس کے بعد سنان نے جو کہ انصار کا حلیف تھا' انصار کو مدد کے لیے پکارا اور جہجاہ نے مہاجرین کو مدد کے لیے آواز دی۔ دونوں فریقین تلوار نکال کر ایک دوسرے کے مقابلے پر آ گئے۔ قریب تھا کہ فتنے کی آگ بھڑک اٹھے۔ مہاجرین نے سنان کی دل جوئی کی اور اسے پیار سے سمجھاتے ہوئے درخواست کی کہ وہ اپنے بھائی کو معاف کر دے اور اپنے حق کو چھوڑ دے۔ سنان رضی اللہ عنہ نے دوستوں کی خاطر جہجاہ رضی اللہ عنہ سے درگزر کیا اور اپنے حق سے دستبردار ہو گئے۔ اس کے بعد

یہ صورت حال مشہور منافق عبداللہ بن ابی سلول نے سنی تو وہ غضب ناک ہوا اور اپنے ساتھی منافقین کی جماعت میں آ کر کہنے لگا:

"مہاجرین کو جو قوت و طاقت حاصل ہوئی ہے وہ ہماری وجہ سے ہے۔ خدا کی قسم میں مدینہ جا کر جو سب سے زیادہ عزت والا ہے اسے سب سے زیادہ ذلیل کروں گا۔"

پھر اس منافق نے یہ بھی کہا:

"یہ وہ کام ہے جو ہم نے خود کیا ہے۔ تم نے انہیں اپنے شہر میں جگہ دی اور اپنے اموال میں ان کو شریک کیا اور وہ تمہارے ساتھ یہ معاملہ کرتے ہیں۔ اگر تم اس طرح ان کی مدد و اعانت نہ کرتے تو آج وہ تمہاری گردنوں پر سوار نہ ہوتے۔"

الغرض اس منافق نے اسلام دشمنی میں بڑی بڑھ چڑھ کر باتیں کیں اور معاملے کو خوب اچھالنے اور بھڑکانے کی کوشش کی۔

حضرت زید بن ارقم انصاری رضی اللہ عنہ اس منافق کی مجلس میں موجود تھے، اور ابھی کمسن تھے۔ جب اس منافق ملعون نے اس طرح کی باتیں کیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے باوجود کم عمری کے اس کے خلاف شدید احتجاج کیا اور پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں آ کر اس منافق سے جو کچھ سنا تھا وہ بغیر کمی و زیادتی کے اسے بیان کر دیا۔ اس وقت بہت سے جید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں موجود تھے۔ حضور ﷺ نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"کہیں ایسا تو نہیں کہ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہو؟"

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر اپنی بات کی سچائی کا یقین دلایا۔ عبداللہ بن ابی منافق کی بات سارے لشکر اسلام میں پھیل گئی۔ حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوی

ﷺ میں عرض کیا:

”یارسول اللہ ﷺ مجھے اجازت مرحمت فرمائیے کہ میں اس منافق کو قتل کر دوں۔“

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”اے عمر رضی اللہ عنہ! اگر میں اس کے قتل کو جائز قرار دوں تو مدینہ منورہ کے بہت سے سردار کانپ اٹھیں گے۔“

حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

”اگر آپ ﷺ مہاجرین کو نہیں فرماتے تو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ، سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ یا عبادہ بن بشر رضی اللہ عنہ سے فرمائیے کہ وہ اسے قتل کر دیں۔“

رحمت اللعالمین ﷺ نے فرمایا:

”لوگ کہیں گے کہ محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے بلکہ تم لوگوں سے کہو کہ وہ کوچ کریں۔“

سخت گرمی کے باوجود حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق عمل کیا۔ انتہائی شدید گرمی میں رسول اللہ ﷺ اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار ہوئے اور کوچ کا ارادہ فرماتے ہوئے سفر کا آغاز فرمایا۔ لوگوں کو کچھ علم نہیں تھا کہ باوجود اس قدر شدید گرمی کے کوچ کا سبب کیا ہے؟ دراصل مقصد یہ تھا کہ لوگ ان باتوں میں مصروف نہ رہیں۔ روایات میں آتا ہے کہ اس وقت حضرت اسید حصیر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

”یارسول اللہ ﷺ! کیا وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس وقت کوچ فرمایا ہے؟“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''کیا تمہیں وہ بات نہیں پہنچی جو تمہارے ساتھی نے کہی ہے۔''

انہوں نے لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کون ساتھی اور اس نے کیا کہا ہے؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''ابن ابی نے کہا ہے کہ جب میں مدینہ جاؤں گا تو عزیز ترین شخص کو ذلیل ترین کر کے نکال دوں گا۔''

حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہیں تو اِسے وہاں سے نکال دیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عزیز ہونا مسلم ہے اور ذلیل ترین وہ شخص ہے، اور عزت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ایمان والوں کے لیے ہے۔''

اسی سفر کے دوران جب یہ واقع پیش آیا تو بعض انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھے' انہوں نے جب حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ باتیں سنیں تو وہ عبداللہ بن ابی منافق کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ تیری طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں چند باتیں پہنچائی گئی ہیں۔ اگر اس قسم کی باتیں تم سے سرزد ہوئی ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں پہنچ کر معافی مانگ لے اور توبہ کر کے معافی مانگ تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ سے تیرے لیے مغفرت طلب فرمائیں، اور اپنی باتوں کا انکار ہرگز نہ کرنا تاکہ تیرے بارے میں کوئی ایسی آیت مبارکہ نازل نہ ہو جائے جو تجھ کو جھوٹا ثابت کرے اور اگر تم نے یہ باتیں نہیں کیں تو پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں پہنچ کر قسم کھالے تاکہ اس الزام سے

تیری بریت ہو۔

الغرض یہ کہ عبداللہ بن ابی لعین رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور بڑی بڑی قسمیں کھائیں کہ وہ باتیں جو آپ ﷺ کے گوش مبارک تک پہنچائی گئی ہیں' وہ درست نہیں ہیں اور میں نے قطعاً وہ باتیں نہیں کیں اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہ اپنی بات میں جھوٹا ہے۔ بعض مسلمانوں نے اس کی باتوں کا یقین کر لیا اور بعض کا یہ خیال تھا کہ کم عمری کی وجہ سے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ وہ لوگ جو عبداللہ بن ابی منافق کو عزت و وقار کی نظروں سے دیکھتے تھے' رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے:

"یارسول اللہ ﷺ ایک بچے کی بات ہمارے بزرگ شیخ کے بارے میں تسلیم نہیں کی جا سکتی۔"

الغرض یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن ابی منافق کی قسم اور بعض لوگوں کے کہنے سننے سے اس معاملہ میں درگزر فرمایا۔ بعض لوگوں نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ پر بہت غصے اور ناراضگی کا اظہار کیا اور حتیٰ کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے چچا نے ان سے کہا:

"اے زید رضی اللہ عنہ! یہ کوئی کام نہیں جو تم نے کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تیری بات کی تکذیب کی اور عبداللہ بن ابی کی تصدیق فرمائی۔ لوگ تمہیں دشمن خیال کرتے ہیں۔"

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ اس واقعہ سے بہت زیادہ غمگین ہوئے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ واپسی کے سفر کے دوران حضرت زید رضی اللہ عنہ اونٹ پر سوار غم و ملال کی کیفیت میں خاموش چلے جا رہے تھے کہ اچانک رسول اللہ ﷺ نے اپنی سواری ان کی طرف دوڑائی اور ان کا کان پکڑ کر پیار سے مروڑا اور مسکراتے ہوئے ان کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا:

"اے زید رضی اللہ عنہ! تمہیں خوشخبری ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تیری تصدیق
اور منافقین کی تکذیب فرمائی ہے۔"

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورہ المنافقون کی آیات کی تلاوت فرمائی۔

جب حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی سچائی ثابت ہوگئی تو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ عبداللہ بن ابی کے پاس آئے اور اس کی خوب مذمت کی اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے لیے مغفرت طلب کریں لیکن اس سیاہ دل اور باطن کے اندھے نے اپنی گردن کو اکڑایا اور منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ جیسے اس پر کسی بات کا کوئی اثر ہی نہ ہوا ہو۔ اس حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا:

"اللہ کی قسم' تیرے گردن پھیرنے کے بارے میں بھی ضرور
قرآن پاک میں نازل ہوگا۔"

چنانچہ اس پر آیت کریمہ نازل ہوئی:

ترجمہ: "اور جب ان منافقوں سے کہا جاتا ہے کہ چلو تاکہ رسول اللہ
تمہارے لیے استغفار کریں تو وہ سروں کو جھٹکتے ہیں اور تم دیکھتے
ہو کہ وہ حاضر ہونے سے کتراتے ہیں۔ یہ لوگ متکبر ہیں۔"

ایک روایت میں آتا ہے کہ عبداللہ بن ابی منافق کا ایک بیٹا تھا جو مسلمان تھا اور اسلام کی راہ میں بہت ثابت قدم اور محبت کی منازل میں بڑا مستحکم اور جذباتی تھا۔ جب اس نے یہ سنا کہ حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی ہے کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ' حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ یا کسی دوسرے انصاری کو فرمائیں تاکہ وہ اس منافق کو قتل کر دیں تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے باپ کو قتل کرنا چاہیں تو

مجھے اس کام پر مامور فرمائیں۔اللہ کی قسم میں اس کے سر کو آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر کر دوں گا۔خدا کی قسم خزرج کے لوگ جانتے ہیں کہ میں اپنے باپ کی نسبت سب سے زیادہ خدمت گار ہوں۔وہ بڑی مدت سے میرے بغیر کسی دوسرے کے ہاتھ سے کھانا نہیں کھاتا۔مجھے ڈر ہے کہ اگر میرے بغیر کسی دوسرے نے اسے قتل کیا اور اس کے بعد میں نے اسے دیکھا تو میری خواہش نفسانی مجھے اس بات پر ابھارے گی کہ میں اس سے بدلہ لوں اور اس سبب سے میں دوزخ کا ایندھن بن جاؤں۔"

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"میں نے تیرے والد کے قتل کا ارادہ نہیں کیا اور نہ ہی کسی شخص کو اسے قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔جب تک وہ ہمارے درمیان ہے ہم اس کے ساتھ نیکی و احسان کریں گے۔"

روایات میں آتا ہے کہ اس سفر کے اختتام کے وقت جب لوگ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ مدینہ منورہ کے نزدیک پہنچ گئے تو اس وقت عبداللہ بن ابی منافق بھی مدینہ منورہ کے قریب پہنچا۔یہ وادی عقیق کا مقام تھا۔عبداللہ بن ابی نے مدینہ طیبہ میں داخل ہونا چاہا تو اس کا بیٹا اس کی راہ میں آ کر حائل ہو گیا، اور اس نے اپنے والد کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر اسے روک لیا اور کہا:

"اللہ کی قسم، میں اس وقت تک تجھے شہر میں داخل نہ ہونے دوں گا جب تک رسول اللہ ﷺ اجازت نہ فرمائیں کیونکہ تمام بنی آدم میں سب سے زیادہ عزیز ترین رسول اللہ ﷺ ہیں، اور سب سے زیادہ ساری دنیا میں تو ذلیل ہے اور تو بھی اس بات کا اقرار کر، میں

نے رسول اللہ ﷺ سے تیرے قتل کی اجازت طلب کی ہے۔"

یہ تکرار جاری تھی کہ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس سے گزرے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تعجب سے اس صورت حال کو ملاحظہ کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ بیٹا باپ کے ساتھ جھگڑ رہا ہے، اور اپنے باپ کو مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے تلوار کھینچ کر روک رہا ہے اور اس کا باپ فریاد کر رہا ہے:

"میں بچوں سے زیادہ ذلیل ہوں اور میں عورتوں سے زیادہ خوار ہوں۔"

مگر اس کا بیٹا اسے اسی طرح پکڑے ہوئے ہے اور آگے نہیں بڑھنے دے رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا ماجرا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ ﷺ عبداللہ بن ابی منافق کا بیٹا اپنے والد کو شہر میں داخل نہیں ہونے دیتا کہ جب تک آپ ﷺ اجازت نہ فرمائیں اور عبداللہ بن ابی اپنے آپ کو ذلیل ہونے کا اقرار نہیں کرتا۔"

رسول اللہ ﷺ نے اس کے بیٹے سے فرمایا:

"اسے چھوڑ دو اور اس کے ساتھ نیکی اور نرمی کا سلوک کرو۔"

چنانچہ اس نے اپنے باپ کا راستہ چھوڑ دیا۔

روایات میں آتا ہے کہ اسی سفر کے دوران حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہار مدینہ منورہ کے نزدیک صلصل کے مقام پر گم ہو گیا۔ یہ منزل مدینہ طیبہ کے قریب ہی واقع ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہار کی گمشدگی کی وجہ سے اس منزل میں توقف فرمایا تاکہ گمشدہ ہار کو تلاش کر لیا جائے۔ اس مقام پر پانی نہیں تھا اور لوگوں کے پاس بھی پانی نہیں تھا کہ نماز کے وقت وضو کے لیے بھی پانی کسی کے پاس موجود نہیں تھا اور نماز کا وقت فوت ہونے کے قریب پہنچ گیا۔ اس وقت مسلمانوں نے حضرت

ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر شکایت کی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہار گم ہو جانے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے اس مقام پر توقف فرمایا ہے جہاں پانی نہیں ہے اور قریب ہے کہ نماز کا وقت نکل جائے۔ اس پر حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور اس وقت رسول اللہ ﷺ ان کی آغوش مبارک میں اپنا سر رکھے استراحت فرما رہے تھے۔ حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر سخت غصے اور ناراضگی کا اظہار فرمایا اور ان کو سخت باتیں کیں۔ پھر اپنے ہاتھ کو نیزے کی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پہلو مبارک میں مارا لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس خوف سے حرکت تک نہ کی کہ کہیں رسول اللہ ﷺ کی چشمان مبارک خواب سے بیدار نہ ہو جائیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نیند سے بیدار ہوئے تو پانی موجود نہ تھا جس سے وضو فرمائیں اور نماز کی ادائیگی فرمائیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی اور سب نے تیمم کر کے فجر کی نماز ادا کی۔ اس موقع پر حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اے آل ابو بکر! یہ تمہاری پہلی برکت نہیں ہے۔"

مقصد یہ ہے کہ اس قسم کی بہت سی برکات تمہاری طرف سے مسلمانوں کو پہلے بھی پہنچی ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ جب میں نے اونٹ کو اٹھایا تو اس کے نیچے سے ہار پڑا ہوا مل گیا۔

روایات میں آتا ہے کہ اس مبارک سفر سے واپسی کے وقت مدینہ طیبہ کے نزدیک اس قدر تیز اور شدید رفتار سے آندھی چلی کہ بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ شاید دشمنوں نے مدینہ منورہ پر حملہ کر دیا ہے، اور وہ لوٹ مار میں مصروف ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"خوفزدہ نہ ہوں کیونکہ مدینہ منورہ امن و امان کی جگہ ہے اور یہ ہر

آفت و بلا سے محفوظ ہے، اور اس کا کوئی گوشہ اور کوئی گھاٹی خالی
نہیں ہے جہاں پر کوئی فرشتہ حفاظت پر مامور نہ ہو لیکن آج کوئی
بہت بڑا منافق مر گیا ہے۔"

رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان درست نکلا کیونکہ عبداللہ بن ابی منافق کا دوست زید بن رفاعہ فوت ہو گیا تھا۔ اس کے مرنے سے عبداللہ بن ابی کو بڑا دکھ ہوا کیونکہ یہ دونوں منافقین آپس میں بڑی محبت رکھتے تھے۔ اس سفر مبارک سے رسول اللہ ﷺ ۳۰ شعبان ۵ ھ کو واپس مدینہ منورہ پہنچے۔

مقامِ تبوک کی طرف سفر

رسول اللہ ﷺ نے اس سفر کا آغاز اواخر رجب المرجب ۵ھ کو فرمایا تھا۔

تبوک ایک مقام کا نام ہے، جو مدینہ منورہ اور شام کے درمیان مدینہ طیبہ سے چودہ منزل کے فاصلے پر ہے۔ اس سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اسلامی لشکر بھی تھا۔ روایات میں اس سفر کے دوران پیش آنے والے بہت سے واقعات درج ہیں۔ ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک دن سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک جماعت جو کہ نفاق میں مبتلا تھی، اس میں ودیقہ بن ثابت بھی شامل تھے، چلی جا رہی تھی۔ یہ جماعت آپس میں چہ مگوئیاں کرتی ہوئی چلی جا رہی تھی، اور ایک دوسرے سے یہ کہتے تھے کہ اس مرد کو دیکھو کہ یہ شام کے قلعوں کو فتح کرنے نکلا ہے کیونکہ یہ بات بڑی مشکل اور ناممکن ہے۔ ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا۔ ان لوگوں کے ساتھ قبیلہ اشجع کا ایک شخص مخش محشی حمیر بھی چلا جا رہا تھا اور اس گفتگو میں شریک تھا اس نے کہا:

> "مجھے یہ بات پسند ہے کہ ہماری اس بات کے بدلے میں ہم میں سے ہر ایک کو سو تازیانے مارے جائیں لیکن ہمارے بارے میں قرآن پاک نازل نہ ہو۔"

اللہ تعالیٰ نے ان کی اس گفتگو کی خبر رسول اللہ ﷺ کو پہنچا دی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اس جماعت کے پاس پہنچو وہ تباہ ہوگئے، اور اس جماعت سے پوچھو کہ وہ کیا کہتے ہیں اور اگر وہ انکار کریں تو ان کو کہنا کہ

تم اس طرح اور اس طرح کہتے تھے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے فرمان نبوی ﷺ کے مطابق عمل کرتے ہوئے جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔ اس جماعت سے کہہ دیا۔ یہ سن کر وہ لوگ شرمندہ ہو گئے، اور فوری طور پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ ودیعہ بن ثابت نے کہا کہ ہم آپس میں ہنسی مذاق سے باتیں کرتے تھے۔ اسی اثناء میں قرآن پاک کی آیات مبارکہ نازل ہوئیں اور ان کی باتیں ظاہر ہو گئیں۔ روایات میں آتا ہے کہ مخشی حمیر ان لوگوں میں شامل تھا جن کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا۔ مخشی نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا مانگی کہ وہ شہید ہو جائے، اور اس کی قبر کسی کو معلوم نہ ہو۔ چنانچہ اس کی دعا قبول ہوئی اور ایک جنگ میں جناب مخشی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور ان کی لاش کی کسی کو خبر تک نہ ہو سکی۔

تبوک کے اس سفر کے دوران ایک واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ جب مسلمان حجر کے مقام سے گزر گئے تو رسول اللہ ﷺ سے پانی نہ ہونے کی شکایت کی گئی۔ اس پر سرور دو عالم ﷺ نے دعا کے لیے دست رحمت بڑھائے۔ اس وقت شدید گرمی کا موسم تھا۔ آپ ﷺ کی دعا کی بدولت آسمان پر بادل کے ٹکڑے نمودار ہوئے اور آپس میں مل گئے۔ پھر ایک دم موسلا دھار بارش شروع ہو گئی اور پانی کی فراوانی ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے خوشی و مسرت کا اظہار فرمایا پھر آسمان صاف ہو گیا، اور گرمی کی لہر میں بھی کمی واقع ہو گئی۔ اس صورت حال کے پیدا ہونے پر ایک مسلمان نے منافق سے کہا:

"اب تو سچے دل سے ایمان لے آؤ کیونکہ اب تیرا کوئی عذر باقی نہیں رہ گیا۔"

اس بے ایمان منافق نے جواب دیا:

"یہ کون سی بڑی بات ہے۔ بادل گزر رہا تھا۔ بارش برسا کر چلا گیا۔"

اس سفر کے دوران ایک منزل میں قیام کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اونٹ گم ہوگیا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو ڈھونڈنے نکلے اور جنگل کی طرف گئے۔ قینقاع کا ایک یہودی جس کا نام زید اللصت تھا اور وہ مسلمان ہونے کے بعد منافق ہوگیا تھا۔ اس نے یہ سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اونٹ گم ہوگیا ہے تو اس نے کہا:

''محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آسمان والوں کی خبر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں پیغمبر ہوں اور یہ نہیں جانتے کہ ان کا اونٹ کہاں ہے؟''

جب زید منافق نے یہ بات کہی تو اس وقت حضرت عمارہ بن خرام رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نور نبوت سے یہ بات معلوم کر کے ارشاد فرمایا:

''اے عمارہ (رضی اللہ عنہ)! ایک شخص نے ابھی بات کہی ہے۔ اللہ کی قسم، میں رب تعالیٰ کے بتلائے بغیر کسی چیز کو جاننے کا دعویٰ نہیں کرتا تو اب اللہ تعالیٰ نے مجھے آگاہ کیا ہے کہ میرا اونٹ کہاں ہے۔ فلاں وادی میں جاؤ اور میرا اونٹ اس جگہ ہے۔ اس کی نکیل ایک درخت کے ساتھ اٹکی ہوئی ہے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق عمل کیا اور اس وادی میں گئے۔ اسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائی تھی، اونٹ کو دیکھا۔ درخت سے نکیل چھڑا کر اسے لے آئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سفر میں ایک دن فرمایا:

''کل چاشت کے وقت ہم چشمہ تبوک پر پہنچیں گے اور جو شخص بھی وہاں پہنچے اسے چاہئے کہ اس میں ہاتھ نہ ڈالے۔''

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''دوسرے دن چاشت کے وقت ہم چشمہ پر پہنچے۔ دو آدمی ہم
سے آگے بڑھ گئے تھے، اور انہوں نے اس میں سے پانی پی لیا
تھا۔ اسی وجہ سے پانی متحرک تھا۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تم نے پانی میں ہاتھ ڈالا ہے۔''

پھر آپ ﷺ نے ان پر خفگی کا اظہار فرمایا۔ اس کے بعد آپ ﷺ کے فرمان پر اس چشمہ سے تھوڑا پانی اٹھا کر ایک برتن میں ڈالا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس میں سے اپنے دست مبارک، چہرہ انور اور دہن پاک اس پانی سے دھوئے اور اس پانی کو چشمہ میں گرا دیا۔ جس کے نتیجہ میں وہ تھوڑا سا پانی وافر مقدار میں ہو گیا۔

روایات میں آتا ہے کہ اسلامی لشکر تبوک کے میدان میں خیمہ زن تھا کہ ایک روز نبی کریم ﷺ نے ایک کھجور کے درخت کے نزدیک کھڑے ہو کر یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

''بے شک حمد و ثنا کے بعد سب سے سچی بات اللہ کی کتاب اور
سب سے زیادہ قابل اعتماد چیز تقویٰ کا کلمہ ہے۔ بہترین ملت
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت ہے، اور سب سے بہتر طرز زندگی محمد
(ﷺ) کا طرز زندگی ہے۔ سب سے اشرف بات اللہ تعالیٰ کا ذکر
ہے اور سب سے اچھا قصہ یہ قرآن پاک ہے۔ بہترین کام وہ
ہیں جو نص سے ثابت ہیں اور بدترین کام بدعات ہیں۔ سب سے
بہتر طریقہ انبیاء کرام علیہم السلام کا ہے، اور سب سے زیادہ عزت کی
موت شہداء کا مقتول ہونا ہے۔ بدترین بے بصارتی ہدایت کے
بعد گمراہی ہے۔ بہترین عمل وہ ہے جو فائدہ پہنچائے اور بہترین
ہدایت وہ ہے جس کی پیروی کی جائے اور سب سے بری نابینگی

دل کا اندھا ہونا ہے' اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔ تھوڑی چیز اگر کافی ہو تو وہ اس زیادہ سے بہتر ہے جو غافل کر دے۔ بدترین معذرت وہ ہے جو موت آنے کے وقت کی جائے اور بدترین ندامت وہ ہے جو قیامت کے دن ہوگی۔ بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ کا ذکر چھوڑ چھوڑ کر کرتے ہیں۔ سب گناہوں سے بڑا گناہ جھوٹی زبان ہے۔ بہترین تونگری دل کی بے نیازی ہے اور بہترین توشہ تقویٰ ہے۔ دانائی کی بنیاد اللہ تعالیٰ کا خوف ہے' دل نشین باتوں میں سب سے بہتر یقین ہے اور شکوک میں مبتلا رہنا کفر کی ایک قسم ہے' نوحہ کرنا جاہلیت کا کام ہے' مال غنیمت میں خیانت کرنا دوزخ کا بھوسہ ہے' شعر گوئی شیطان) کے کاموں) میں ہے' شراب گناہوں کا مجموعہ ہے' عورتیں شیطان کا جال ہیں' اور جوانی جنون کا ایک شعبہ ہے اور بدترین سود کی کمائی ہے اور بدترین غذا یہ ہے کہ آدمی یتیم کا مال کھائے' نیک بخت وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے اور بدبخت وہ ہے جو اپنی ماں کے پیٹ ہی سے شقی ہو۔ یاد رکھو' تم میں سے ہر ایک کو چار گز کی جگہ میں جانا ہے اور معاملہ آخرت تک پہنچے گا۔ عمل کا دارومدار انجام اور خاتمے پر ہے اور بدترین مزاج جھوٹ کا مزاج ہے اور ہر وہ چیز جو آنے والی ہے' قریب ہے' مومن کو گالی دینا گناہ ہے اور مومن کے ساتھ قتال کرنا کفر ہے، اور اس کا گوشت کھانا) غیبت کرنا (اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے' اور اس کے مال کی حرمت اس کے خون کی حرمت کی طرح ہے اور جو شخص بلا

ضرورت اللہ کی قسم کھاتا ہے' اللہ اسے جھوٹا کر دیتا ہے' اور جو شخص
اس سے مغفرت طلب کرتا ہے' اللہ اس سے درگزر کرتا ہے۔"

تبوک کے اس سفر کے دوران رسول اللہ ﷺ اسلامی لشکر کے ساتھ راستے کی منازل طے کرتے ہوئے جب تبوک کے مقام پر پہنچے تو وہاں پر بیس روز قیام فرمایا اور صبح و شام کوچ اور راستہ کے مصائب کی وجہ سے چند دن تک آرام حاصل کیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے اشراف سے اس معاملہ میں گفتگو فرمائی۔ ان کی طرف سے انہوں نے عرض کیا:

"یارسول اللہ ﷺ اگر آپ ﷺ آگے جانے پر مامور ہیں تو
اس طرف عزم کی باگ پھیر دیجئے ہم تمام آپ ﷺ کے ہمرکاب
وہمسفر ہیں' جس طرف متوجہ ہوں گے دل و جان سے سر کے بل
چل کر ساتھ دیں گے۔"

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اگر میں مامور ہوتا تو مشورہ نہ کرتا۔"

اس پر حضرت الفاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے واپسی سفر کا مشورہ دیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کی رائے کو درست قرار دیتے ہوئے واپس مدینہ منورہ کی جانب کوچ کرنے کا حکم فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک ۹ ھ میں اس سفر سے مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔

❀❀❀

تبوک سے واپسی کا سفر

یہ سال ۹ ھ کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ تبوک کے مقام سے مدینہ منورہ کی طرف سفر کے لیے گامزن ہوئے۔ واپسی کے سفر کے دوران ایک رات ایسی دشوار گزار گھاٹی آئی کہ رسول اللہ ﷺ نے منادی کو فرمایا کہ وہ ندا کر دے کہ اس گھاٹی پر اس وقت تک کوئی نہ جائے جب تک کہ رسول اللہ ﷺ خود اس کے اوپر نہ تشریف لے جائیں۔ چنانچہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کے ہمراہ اس گھاٹی کے اوپر پہنچے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے اونٹ کی مہار پکڑی ہوئی تھی، اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ اونٹ کو پیچھے سے ہنکار رہے تھے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

"اچانک میں نے چودہ سوار دیکھے جو ہماری طرف متوجہ تھے۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو ان کی بابت بتایا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو ڈانٹا اور وہ تمام بھاگ گئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

"کیا تم نے اس قوم کو پہچانا؟"

ہم نے عرض کیا:

"یارسول اللہ ﷺ نہیں، کیونکہ انہوں نے اپنے چہرے ڈھانپ رکھے تھے۔"

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''یہ ایک جماعت ہے جو قیامت تک منافق رہیں گے اور تم کو بالکل علم نہیں کہ ان کا ارادہ اور مقصد کیا تھا؟''

ہم نے عرض کیا:

''نہیں یارسول اللہ ﷺ۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''وہ چاہتے تھے کہ اس گھاٹی میں میرے مزاحم ہوں، اور میرے اونٹ کو بھگا دیں تاکہ میں گر پڑوں اور وہ مجھے قتل کر دیں۔''

ہم نے عرض کیا:

''یارسول اللہ ﷺ آپ ﷺ ہمیں ان کے پاس کیوں نہیں بھیجتے تاکہ ان سب کو قتل کر دیں اور ان کے سر آپ ﷺ کے پاس لائیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''مجھے یہ بات پسند نہیں کہ عرب کہیں گے کہ ایک قوم کی مدد سے اپنے دشمنوں کے ساتھ جنگ کی اور پھر اس قوم کو قتل کر دیا۔''

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''یا اللہ! ان کو دوبیلہ کے مرض میں مبتلا کر۔''

میں نے پوچھا:

''یارسول اللہ ﷺ دوبیلہ کیا ہوتا ہے؟''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''ان کے دل میں آگ کا شعلہ پیدا ہوگا اور انہیں ہلاک کرے گا۔''

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان منافقین کے باپوں کے ناموں کو حضرت

حذیفہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے بیان فرمایا اور حکم دیا کہ ان کو ظاہر نہ کریں اور اس قوم کو رسوا نہ کریں۔

راستے کی مسافت طے کرتے ہوئے جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ کے نزدیک منزل اذان میں جہاں سے مدینہ منورہ ایک چاشت کا راستہ ہے اُترے۔ اس مقام پر منافقین، رسول اللہ ﷺ سے یہ درخواست کرنے آئے تھے کہ آپ ﷺ کو مسجد ضرار میں لے جائیں۔

مسجد ضرار کا واقعہ یہ ہے کہ ابو عامر راہب فاسق آدمی تھا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دشمنی رکھتا تھا۔ یہ ملعون جب شام کی طرف گیا تو اس نے وہاں سے مدینہ طیبہ کے منافقین کو ایک خط لکھا کہ مسجد قبا کے مقابلے میں وہ ایک ایسی عمارت بنائیں جس کی شکل مسجد کی طرح ہو لیکن اصل میں وہ بت خانہ ہو۔ اس نے یہ بھی لکھا کہ اسے اس طرح کھلا رکھیں کہ وہ اعتکاف اور رہائش کے لیے بھی موزوں ہو تا کہ وہ اور اس کے متعبین اس میں قیام کر سکیں۔ اس لعین کا مطمع نظر یہ تھا کہ اس طرح وہ رسول اللہ ﷺ کا مقابلہ کرے گا۔ چنانچہ منافقین نے اس لعین کے کہنے کے مطابق مسجد ضرار تعمیر کر دی۔ جس زمانہ میں رسول اللہ ﷺ لشکر تبوک کی تیاری میں مصروف تھے، وہ لوگ آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

"یارسول اللہ ﷺ! ہم نے اپنے محلہ میں اس محلہ کے دوستوں کی ضرورت کے لیے مسجد تعمیر کی ہے۔ اگر آپ ﷺ اپنی تشریف آوری سے مشرف فرمائیں گے تو ہم ممنون ہوں گے۔"

رسول اللہ ﷺ نے ان کو جواب دیا:

"جب تبوک کے سفر سے واپس آئیں گے تو پھر ہی کچھ ہو سکے گا۔"

چنانچہ تبوک سے واپسی کے اس سفر کے دوران منافقین پھر آپ ﷺ کی

خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور استدعا کی کہ مسجد ضرار میں تشریف لائیں۔ انہوں نے اس بات پر اصرار کیا کہ پہلے آپ ﷺ مسجد ضرار میں تشریف فرما ہوں اور پھر مدینہ طیبہ میں تشریف لے کر جائیں۔ رسول اللہ ﷺ ابھی اس منزل سے سوار نہیں ہوئے تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور منافقین کے دلی خیالات رسول اللہ ﷺ تک پہنچائے اور مسجد ضرار کے بارے میں قرآن پاک کی آیات بھی نازل ہوئیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اسی وقت حضرت مغن بن عدی رضی اللہ عنہ اور حضرت مالک بن الاہشتم کو بھیجا۔ انہوں نے مل کر مسجد ضرار کو جلا کر گرا دیا اور وہاں کے لوگوں کو بھگا دیا۔ یہ جگہ آہستہ آہستہ مدینہ منورہ کے لوگوں کے لیے کوڑا کرکٹ ڈالنے کی جگہ بن گئی۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک کے مہینہ میں مدینہ منورہ پہنچے اور اپنی عادت مبارکہ کے مطابق سب سے پہلے مسجد میں تشریف لے گئے اور دو رکعت نماز نفل ادا فرمائی۔

❀❀❀

سفر فتح مکہ

رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے لیے سفر کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ کفارِ مکہ بھی ذہنی کشمکش میں مبتلا تھے۔

عم رسول ﷺ حضرت عباس رضی اللہ عنہ مسلمان ہو چکے تھے، مگر وہ بھی اسی ذہنی کشمکش میں مبتلا تھے۔ ایک روز وہ مکہ سے چار فرلانگ کے فاصلے پر جحفہ کے مقام پر یونہی چلتے چلتے پہنچ گئے۔ اچانک، بالکل اچانک انہوں نے دیکھا کہ محمد ﷺ کا لشکر ٹھاٹھیں مارتا ہوئے سمندر کی طرح چلا آرہا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے بھتیجے کو شاہی تفاخر اور تزک و احتشام کے ساتھ مکہ کی طرف آتے ہوئے دیکھا تو آگے بڑھ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے سرکار دو عالم ﷺ کا استقبال کیا۔ عم رسول ﷺ اپنے بھتیجے کی کامیابی پر بہت خوش بھی تھے اور خوفزدہ بھی تھے۔ خوشی اس بات کی کہ مکہ سے نکالا ہوا در یتیم آج قیصر و کسریٰ سے زیادہ مقبول و مضبوط شہنشاہ کونین ﷺ بن چکا ہے، اور خوف اس بات کا کہ آپ ﷺ کی طاقت اور لشکر کے مقابلے کی عرب میں کوئی طاقت نہیں۔ کہیں مکہ پر حملہ کر کے اہل مکہ کو نیست و نابود نہ کر دیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی فوج کو ''مرالظہران'' کے مقام پر پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا، جہاں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے ان کے ارادوں اور عزائم کے بارے میں پوچھا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''چچا، آپ کیا چاہتے ہیں؟''

انہوں نے عرض کی:

"بھتیجے، میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر قریش نے آپ ﷺ سے امان چاہی تو آپ ﷺ کا ردعمل کیا ہوگا؟"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"میں کشت وخون اور لڑائی کے بغیر مکہ میں داخل ہونا چاہتا ہوں۔"

حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس جواب سے مطمئن ہو گئے۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں اپنی طرف سے صلح اور امن کا سفیر بنا کر مکہ روانہ کیا تا کہ وہ اہل مکہ کو حضور ﷺ کی طاقت سے مرعوب کریں۔ مکہ میں ابوسفیان کو کچھ لوگوں نے بتایا کہ مقام "مرالظہران" پر بہت سی روشنیاں نظر آ رہی ہیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ کسی بڑے لشکر کا وہاں قیام ہے اور یہ بڑا لشکر محمد ﷺ کے لشکر کے سوا کسی کا نہیں ہو سکتا۔

نبی کریم ﷺ نے پڑاؤ ڈالنے کے بعد اہلِ لشکر کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے اپنے خیموں کے اوپر دو دو مشعلیں روشن کریں تا کہ روشنیاں اہلِ قافلہ کی تعداد کو دو گنا ظاہر کریں۔ یہ قدم نبی کریم ﷺ کی عسکری بصیرت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ ابوسفیان کو جب ان روشنیوں کا علم ہوا تو وہ بدیل بن ورقا اور حکم بن حزام کو ساتھ لے کر مکہ سے باہر آ گیا۔ راستے میں اس کی ملاقات حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ہوگئی۔ ان سے ابوسفیان نے پوچھا:

"یہ روشنیاں کیسی ہیں کیا کسی لشکر نے یہاں ٹھہرنے کا اہتمام کیا ہے؟"

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"ابوسفیان تیرا برا ہو، لشکر رسول اللہ ﷺ کی سرکردگی میں آن پہنچا ہے۔ یہ لشکر اپنی طاقت کے بل بوتے پر اگر مکہ میں داخل ہو گیا تو قریش پر قیامت گزر جائے گی۔"

ابوسفیان نے کہا:

”اے ابوالفضل (حضرت عباس رضی اللہ عنہ)، آپ ہی کچھ بتائیں اب کیا صورت اختیار کی جائے۔“

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو اپنے ہمراہ لیا، اور اس کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔ ابوسفیان کو حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو فوراً تلوار نکال لی اور کہا:

”اے دشمن اسلام، تیری زندگی کے خاتمے کا وقت آ گیا ہے۔“

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو امان دیتے ہوئے حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کو تلوار میان میں رکھنے کی ہدایت کی۔ حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ مصر تھے کہ وہ ابوسفیان کی گردن زنی ضرور کریں گے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ ابوسفیان کو نبی کریم ﷺ کے خیمے میں لے گئے اور عرض کی:

”ابوسفیان کو میں نے امان دی ہے۔ آپ ﷺ اس کی جان عمر الفاروق رضی اللہ عنہ سے بچائیں۔“

نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کو ابوسفیان کے قتل سے روکا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ہدایت کی کہ ابوسفیان کو صبح میرے سامنے پیش کیا جائے۔

صبح ابوسفیان نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”کہو ابوسفیان، کیا تمہیں اب بھی یقین نہیں کہ خدا ایک ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، تمہارے بت جھوٹے ہیں اور میں خدا کا سچا رسول (ﷺ) ہوں۔“

ابوسفیان نے کہا:

”اے محمد (ﷺ)، آپ (ﷺ) متحمل، کریم النفس اور اقربا نواز ہیں۔ بخدا یہ معاملہ ایسا ہے کہ میرا دل اس بارے میں ابھی تک

مطمئن نہیں۔"

ابوسفیان کا یہ باغیانہ جواب سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا:

"اگر تمہارا دل مطمئن نہیں تو یہ جان لو تمہارا سر بھی سلامت نہیں۔ عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کی تلوار تمہارے سر پر لٹک رہی ہے جس سے تیرا بچنا محال ہے۔"

پھر نبی کریم ﷺ سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

"حضور ﷺ، ابوسفیان سرداری اور سربلندی کو پسند کرتا ہے۔ آپ ﷺ اس کی اس کمزوری کے باعث اس کو کسی مناسب منصب سے نواز دیں۔"

نبی کریم ﷺ نے اعلان کروا دیا:

"ہر وہ شخص جو کعبۃ اللہ میں داخل ہو جائے گا اسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔
جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کو بھی امان دی جائے گی۔
جو شخص بھی اپنے گھر کا دروازہ بند رکھے گا وہ بھی مامون رہے گا۔"

ابوسفیان نے اپنی سیادت برقرار رہتی دیکھی تو مسلمان ہو گیا، لیکن اس کے باوجود حضور ﷺ نے ہر ممکن احتیاط ملحوظ خاطر رکھی۔ آپ ﷺ نے اپنے جانثاروں کے ہمراہ مکہ میں جس راستے سے داخل ہونا تھا آپ ﷺ نے اس راستے پر واقع پہاڑی کی ایک تنگ وادی میں ابوسفیان کو مقید رکھنے کا حکم دیا تا کہ وہ اپنی آنکھوں سے لشکر اسلام کا مشاہدہ اور ملاحظہ کر سکے اور خدائی فوج کو اپنی آنکھوں سے دیکھے، اور اپنی قوم کو بتائے کہ خدا اپنے نام پر سر کٹانے والوں کو کتنا جلیل القدر بنا دیتا ہے۔ سپاہ الٰہی کے فوجی دستے ابوسفیان کی نظروں کے سامنے سے گزرے لیکن اس سبز فام دستے کے سوا جو نبی کریم ﷺ کے جلوس میں تھا، اس کی توجہ اپنی طرف منعطف نہ کی۔ یہ دستہ فوج مہاجرین اور

انصار پر مشتمل تھا جو بہت زیادہ مسلح اور ہر طرح کے ہتھیاروں سے لیس تھا۔

ابوسفیان بہت مرعوب ہوا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا:

"اے ابوالفضل (رضی اللہ عنہ)، میں نے پہلے کبھی کوئی فوج اتنی بڑی نہیں دیکھی۔ مسلمانوں کے مقابلے کی تاب لانا کسی فوج کے بس کی بات نہیں۔ اے عباس (رضی اللہ عنہ)، میں دیکھتا ہوں کہ تیرے بھتیجے کی مملکت کا دائرہ بہت وسیع ہو جائے گا۔"

پھر ابوسفیان نے مکہ آ کر قریش کو پکارا اور کہا۔

"اے مردانِ قریش، غور سے سنو، محمد ﷺ ایک ایسا طاقتور لشکر لے کر مکہ میں آ چکے ہیں جس کے مقابلے کی تم میں ہمت نہیں۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ جو شخص کعبہ میں، میرے گھر میں اور اپنے گھر میں رہ کر اپنا دروازہ بند رکھے گا۔ وہ امان پائے گا۔ اس لیے کوئی قدم اٹھانے کی بجائے ان کے حکم کی تعمیل کرو۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔"

مقام "ذی طویٰ" پر آپ ﷺ نے دیکھا اور مشاہدہ کیا کہ اہل مکہ کسی بھی فوجی کارروائی کا ارادہ نہیں رکھتے تو آپ ﷺ نے اپنی سواری پر بارگاہِ ایزدی میں سجدہ شکر ادا کیا کہ خدا نے آپ ﷺ پر فتح و کامرانی اور نصرت کے دروازے کھول دیے تاکہ آپ ﷺ امن و سکون سے بہ حالتِ اطمینان اس پاک گھر میں داخل ہو جائیں جن کے آپ ﷺ وارث ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے اسلامی افواج کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا، اور احتیاطی تدابیر

سمجھائیں تاکہ خون ریزی کی صورت میں بروقت مناسب اقدام کیے جائیں۔ لشکر کے بائیں بازو کی سالاری حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے سپرد کی اور انہیں شمال کی جانب سے مکہ میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا۔ دائیں بازو کا کمانڈر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بنایا اور انہیں زیریں حصہ سے مکہ میں داخل ہونے کی ہدایت کی گئی۔ حضرت سلاہن عبادہ رضی اللہ عنہ کو اہلِ مدینہ کی قیادت سونپی گئی اور انہیں مغربی گوشے سے مکہ میں داخل ہونے کا حکم دیا۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ مہاجرین کے سالار مقرر ہوئے اور بالائی راستے سے انہیں مکہ میں داخل ہونے کا حکم ملا۔

مکہ میں اسلامی فوج کے تمام دستے بہ امن داخل ہو گئے۔ ماسوائے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے دستے کے۔ وہ بھی اس لیے آمادۂ جنگ ہوئے کہ مکہ کے زیریں حصے میں قریش کے وہ قبائل آباد تھے، جو اسلام کے لیے بغض اور کینہ توزی کی انتہا تک پہنچ چکے تھے اور (نعوذ باللہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدترین دشمن تھے۔ انہی لوگوں نے بنی بکر سے مل کر بنی خزاعہ پر حملہ کیا تھا اور قرارداد حدیبیہ کو سبوتاژ کیا تھا۔ ان لوگوں میں عکرمہ بن ابوجہل اور صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو شامل تھے۔ جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنے دستے کے ہمراہ مکہ میں داخل ہوئے تو ان لوگوں نے تیراندازی شروع کر دی، لیکن حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی جوابی کارروائی نے انہیں چھٹی کا دودھ یاد دلا دیا۔ مسلمانوں کے دو آدمی شہید ہوئے جب کہ قریش کے اٹھائیس آدمی قتل ہوئے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا پلڑا بھاری رہا۔ عکرمہ بن ابوجہل، صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو بھاگ کھڑے ہوئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلند راستے سے مکہ میں داخل ہو رہے تھے کہ انہیں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے دستے پر تلواریں چمکتی نظر آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رنجیدہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں چاہتے تھے کہ جنگ ہو، لیکن جب اصل حالات کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتہ چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا:

”جو کچھ خدا کو منظور ہے اسی میں بہتری اور مصلحت ہے۔“

مکہ میں داخل ہونے کے بعد آپ ﷺ کوہ ہند کے سامنے فروکش ہوئے۔ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور جناب ابو طالب کی قبور کے سامنے آپ ﷺ نے خیمہ لگوایا۔ آپ ﷺ مکہ کو فاتحہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ یہ وہی شہر ہے، جو آپ ﷺ کا آبائی اور اپنا ہے مگر آٹھ سال پہلے یہاں سے آپ ﷺ کو بے بس اور بے کس انسان سمجھ کر نکل جانے پر مجبور کر دیا گیا۔ آپ ﷺ اپنے مخلص ساتھی کی ہمراہی میں دشمنوں کی نگاہوں سے بچ کر مدینہ روانہ ہو گئے تھے۔

آج وہی مکہ والے آپ ﷺ سے عرض کر رہے تھے:

”کیا آپ ﷺ اپنے گھر نہیں جائیں گے؟“

آپ ﷺ نے فرمایا:

”میرا گھر تو اس شہر کے باسیوں نے آٹھ سال پہلے چھین لیا تھا۔
میرے ٹھہرنے کے لیے میرا یہی خیمہ کافی ہے۔“

خیمے کے اندر آپ ﷺ استراحت فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ کا دل شکر و اطمینان کے جذبات سے سرشار تھا۔ آپ ﷺ خوش تھے کہ آج صرف خدا کی مدد سے جس جاہ وحشمت سے آپ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تھے شاید وہ کسی دنیا کے شہنشاہ کو بھی نصیب نہ ہوئی ہو۔ قدسیوں کی جانثار جماعت کے جلوس حق و صداقت آپ ﷺ کے سر پر سایہ فگن تھی۔ فرشتے آپ ﷺ کی عدیم النظر اور فقید المثال شادکامی پر ہدیہ تحسین و تبریک اور صلوٰۃ وسلام سے گل پاشی کر رہے تھے۔

مکہ کی پہاڑیاں دیکھ کر آپ ﷺ کو ان پر پیار آنے لگا۔ یہ وہی جگہیں تھیں

جہاں قریش کی اذیتوں سے بچنے کے لیے آپ ﷺ پناہ لیا کرتے تھے۔ انہی پہاڑیوں میں غارحرا جہاں پر آپ ﷺ کو مسند نبوت پر متمکن کرنے کے لیے تاج رسالت ﷺ پہنایا گیا۔ وہی غارحرا جہاں آپ ﷺ غور وفکر کرتے۔ اپنی ذات، خدا کی کائنات، جن و انس، ارض وسما، شجر و حجر غرض ہر چیز آپ ﷺ کے فکر کا محور اور سوچ کا مرکز ہوتی تھی۔

آج ان پہاڑیوں کی وادیوں میں قریش آپ ﷺ کے سامنے دست بستہ غلام بنے کھڑے تھے۔ قریش کے گھروں میں اللہ کا گھر تھا۔ وہ گھر جس میں کبھی داخل ہونے کے لیے آپ ﷺ کو کفار مکہ کی اجازت کی ضرورت ہوتی تھی۔ آج اس پاک گھر کے آپ ﷺ مالک تھے۔ اس کے اندر داخل ہونے کے لیے ہر نظر آپ ﷺ کی سوالی تھی۔

خیمے کے اندر آپ ﷺ نے زیادہ وقت شکر خداوندی میں گزارا۔ آپ ﷺ نے خدا سے عرض کی:

"اے مولا پاک، ایک سپہ سالار کی حیثیت سے میں نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی۔ اب اہلِ مکہ کو ہدایت سے نواز دے اپنا کرم اور نعمت ان پر نازل فرما۔"

خیمے سے نکل کر آپ ﷺ اپنی "ناقہ قصوا" پر سوار ہو کر کعبہ شریف میں تشریف لے گئے۔ سات بار بیت اللہ کا طواف کیا۔ "رکن کعبہ" کو اپنے عصا کے ساتھ بار بار چھوا۔ پھر آپ ﷺ نے کعبۃ اللہ کا دروازہ کھولا پہلے اپنے جانثاروں کو اندر بھیجا پھر بعد میں خود اندر داخل ہوئے۔

کعبہ کے اندر جا کر آپ ﷺ نے سجدہ شکر ادا کیا۔ مکہ والے حیران تھے کہ جس یتیم کو بے یار و مددگار سمجھ کر نکال دیا تھا آج وہ شان مردانہ اور انداز فقیرانہ میں ان

کے سامنے اور خدا کے حضور ایک فاتح کی حیثیت سے کھڑا تھا۔ مکہ کے والی اور کعبہ کے متولی اس کے سامنے محکوم و معتوب کھڑے تھے۔

کعبہ میں کھڑے ہو کر آپ ﷺ نے ایک جم غفیر کے سامنے ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔

دربار حکومت الٰہیہ کا یہ پہلا خطبہ سنت تھا، جو ان تمام اصولوں کا عظیم القدر مجموعہ تھا جس پر حکومت خداوندی کے مشیر کو استوار ہونا تھا۔ آپ ﷺ نے بآواز بلند فرمایا:

''قابل ہزار حمد ستائش اور درخور صد ہزار تشکر و امتنان ہے وہ بارگاہ حمدیت جنہوں نے ان وعدوں کو پورا کیا جو اس وقت کیے گئے تھے جب کہ ساری فضا نا مساعد اور حالات ناساز گار تھے۔ اس نے اپنے بندے کی تائید و نصرت فرمائی اور طاغوتی طاقتوں کو منہدم کر کے دکھلایا۔''

''اے قوم قریش، جاہلیت کا غرور اور نسب کا افتخار و پندار سب خدا نے مٹا دیے ہیں۔ تمام تفاخر، تمام انتقامات سب خون بہاتے قدم مٹ مٹا کر آج میرے قدموں میں ہیں۔ اب مساوات انسانی اور احترام آدمیت کا دور آ گیا ہے۔ اب عزت و تکریم کا حصار حسب و نسب بلکہ جوہر ذاتی ہو گا۔''

سامعین میں وہ متکبر و مبتدین قریش کھڑے تھے جن کے سامنے آپ ﷺ نے سب کو دعوتِ حق پیش کی تھی۔ صفا کی پہاڑی پر آپ ﷺ نے اللہ کا نام لیا تو انہی لوگوں نے آپ ﷺ کے انقلاب کی مخالفت میں اپنی تمام توانائیاں صرف کر دیں۔

آپ ﷺ جو داعی الی اللہ تھے۔ آپ ﷺ کو معاذ اللہ ہجرت کی شب قتل کرنے کی سکیم بنا کر آپ ﷺ پر قاتلانہ حملے کی سازش کی۔ قدرت انتقام کے باوجود

عفو و درگزر کا اقدام کتنا حوصلے کا کام ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی عظمت اور رحمت اللعالمین کے باعث بغض و عداوت اور پست درجے کے خیالات کو اپنے قریب بھی نہ آنے دیا۔ شرافت اور انسانیت کی معراج پر پہنچ کر آپ ﷺ نے آدمیت کا مرتبہ بلند فرما دیا۔

آپ ﷺ کے سامنے "ہندہ" کھڑی تھی۔ وہی ہندہ جس نے عم رسول ﷺ کا کلیجہ چبایا تھا۔ وحشی سرنگوں تھا جس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ سب مفتوح و مغلوب آپ ﷺ کے سامنے کھڑے تھے۔ آپ ﷺ فاتح منصور تھے۔ دنیا کا کوئی قانون اور عدل آپ ﷺ کو ان مجرمین کے قتل سے نہیں روک سکتا تھا، مگر نگاہِ رسالت اٹھی سب دشمن سامنے ہیں۔ آپ ﷺ نے انہیں دیکھا اور فرمایا:

"اے گروہ قریش! تمہیں معلوم ہے میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں۔"

اس پر سب کے سب بیک زبان ہو کر بولے:

"ہمیں یہ تو معلوم نہیں کہ آپ ﷺ ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے تاہم یہ ضرور جانتے ہیں کہ آپ ﷺ شریف بھائی ہیں اور شریف زادے ہیں۔"

قریش نے آپ ﷺ کی یہ تعریف از راہِ اخلاق نہیں کی تھی۔ تملق و خوشامد تو عرب کے کردار سے بعید تھی۔ انہوں نے جس بات کا اعتراف کیا تھا درحقیقت یہ نبی کریم ﷺ کی سیرت ہی تھی۔ اس کا اعتراف یہ لوگ زمانہ دشمنی میں ہرقل و نجاشی کے دربار میں بھی کر چکے تھے۔ حضور ﷺ نے قریش کی یہ بات سنی اور فرمایا:

"آج تم سے کوئی مواخذہ نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔"

یہ وہ عفو ہے جس کی قرآن میں تعریف و توضیح کی گئی ہے۔ عفو اس کا قابل ستائش ہے، جس میں انتقام کی پوری قدرت موجود ہو مگر وہ بدلہ نہ لے۔ قریش کی گردن

زنی کرنا آپ ﷺ کے بس میں تھا۔ آپ ﷺ کے پاس طاقت، قوت و اختیار تھا۔ آپ ﷺ چاہتے تو اہلِ مکہ کا صفایا کر سکتے تھے، لیکن آپ ﷺ اوصافِ کریمانہ کے حامل، محبتوں کے داعی اور امن کے پیامبر تھے۔ آپ ﷺ نے سب کو معاف کر کے ساری دنیا اور اس میں بسنے والی تمام اقوام کے لیے احسان، وفائے عہد اور روحانی عظمت کی ایک ناقابل فراموش مثال قائم کر دی۔

قریش نے مسلمانوں کی ہجرت کے بعد مہاجرین کے مکانات پر قبضہ کر لیا تھا۔ اب قریش کو یہ فکر بھی ستائے جا رہی تھی کہ مالکان کے مکان انہیں واپس کرنے پڑیں گے کیونکہ طاقتور چاہیں تو مفتوحین کے مکان بھی چھین لیں گے، لیکن ان کے اس بے بنیاد اور دنیاوی خدشات کا اس وقت خاتمہ ہو گیا جب نبی کریم ﷺ نے مہاجرین کو اپنے مکہ والے مکانات سے دستبردار ہونے کا حکم فرمایا جس پر سب نے لبیک کہہ کر اپنے مکانوں کے حقوق سے اہلِ مکہ کے لیے دستبردار ہو گئے۔

عثمان بن طلحہ شیبی کعبہ کا کلید بردار تھا۔ یہ وہ شخص تھا جس کے پاس ہجرت کے وقت نبی کریم ﷺ آئے تھے، اور اس کو بڑی لجاجت سے کہا تھا کہ ایک دفعہ کعبہ کا دروازہ کھول دو تا کہ میں اس کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا لوں لیکن اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ ﷺ خاموشی سے پلٹنے لگے تو آپ ﷺ نے عثمان سے صرف اتنا فرمایا:

> "اے عثمان! آج تم نے کعبۃ اللہ کا دروازہ میرے لیے کھولنے سے انکار کر دیا ہے تم مختار ہو لیکن وہ وقت بھی انشاء اللہ آنے والا ہے کہ یہی کلید میں جس کے ہاتھ میں دوں گا قیامت تک اس سے کوئی نہیں چھین سکے گا۔"

عثمان کو وہ وقت، وہ بات اور اپنا رویہ یاد تھا۔ آج کلید اس کے ہاتھ سے نکل

کر سرکارِ دو عالم ﷺ کے پاس چلی گئی۔ وہ سامنے کھڑا سوچ رہا تھا کہ وہ کون خوش نصیب ہوگا جس کو حرم پاک کا کلید بردار بنایا جائے گا۔

آپ ﷺ نے بآوازِ بلند عثمان کو پکارا اور اسے آگے بڑھ کر کلید کعبہ عنایت فرمائی۔ ترحم خردانہ اور نوازش شاہانہ کی ایسی نظیر اور کہاں مل سکتی ہے۔ یہ کنجی آج تک عثمان کی اولاد میں منتقل ہوتی چلی آرہی ہے۔

ان مراحل سے گزرنے کے بعد آپ ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے دیکھا حرم پاک کی دیواروں پر گزرے ہوئے پیغمبروں کی تصاویر بنی ہوئی تھیں۔ ایک دیوار پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک تصویر تھی جس میں انہوں نے "جوئے اور رمال" کے تیر پکڑے ہوئے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصویر دیکھ کر بے اختیار آپ ﷺ کی زبان سے نکلا:

"ان کو خدا تباہ کرے، اس تصویر میں میرے وارث اعلیٰ کو جوا کھیلتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ بھلا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جوئے کے تیروں کے ساتھ کیا تعلق۔ وہ نہ تو یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ وہ تو راست باز مسلمان تھے۔ مشرکین کے ساتھ ان کو کوئی علاقہ نہ تھا۔"

کعبہ میں ایک کبوتر کا مجسمہ بھی تھا جو لکڑی کا ساختہ تھا، جسے آپ ﷺ نے زمین پر مار کر توڑ دیا۔ اس کے علاوہ کعبہ شریف میں فرشتوں کی تصاویر بھی بنائی گئی تھیں، جو عورتوں کے مشابہ تھیں۔ ان تصاویر کو دیکھ کر آپ ﷺ بہت ناراض ہوئے اور فرمایا:

"فرشتوں میں نر اور مادہ نہیں ہوتے۔"

ان تصاویر کو آپ ﷺ نے مٹا دینے کا حکم صادر فرمایا۔ پھر آپ ﷺ بتوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ کعبہ کے گرد وہ بت تھے جن کی قریش پوجا کیا کرتے تھے۔ یہ بت دروازوں کے ساتھ مضبوطی اور استواری سے جکڑے ہوئے تھے۔ ہبل کعبہ شریف

کے اندر رکھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے چھڑی کے ساتھ تمام بتوں کی طرف اشارہ کیا اور قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ رقم ہے:

"اور کہہ دیجئے کہ حق آ گیا ہے اور باطل مٹ گیا ہے۔ بے شک باطل مٹ جانے والا ہے۔"

یہ پڑھنا تھا کہ تمام بت اوندھے منہ گر گئے۔ کعبہ کے اندر جتنے بت تھے۔ ان کو اس پاک گھر سے باہر پھینک دیا گیا۔ جس کام کے لیے آپ ﷺ نے بیس سال جدوجہد کی تھی۔ اس کی تکمیل فاتح کی حیثیت سے آپ ﷺ نے سب سے پہلے کی۔ بتوں کی سرکوبی کے لیے آپ ﷺ نے بے شمار جنگیں اور لڑائیاں لڑیں اور قریش کی ستم رسائیوں کا سامنا کیا اور آج قریش کے سامنے بت مسمار کر دیے گئے۔ قریش بتوں اور بت پرستی کا جنازہ اپنی آنکھوں سے نکلتا دیکھ رہے تھے۔ یہ بت اپنے پجاریوں کو کوئی نفع نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے اور نہ ہی اپنی حفاظت کرنے کے اہل تھے بلکہ انسان کی جاہلیت اور نالائقی کے عکاس تھے۔

بتوں کی نجاست سے کعبہ شریف کو پاک کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ بیت اللہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دیں۔ عاشق رسول ﷺ نے اذان دی۔ محبوب خدا ﷺ نے امامت کروائی۔ اسلام کے شیدائیوں نے آپ ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ اس اذان کی پیروی آج بھی ہوتی ہے۔ کعبہ کی چھت پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا جانشین دن میں پانچ مرتبہ اذان دے کر خدا کی بڑائی بیان کرتا ہے۔

عام معافی دینے کے بعد نبی کریم ﷺ نے قریش کے ستره افراد کو تہہ تیغ کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ آپ ﷺ کا یہ حکم ایسے لوگوں کے متعلق تھا، جن کی بربریت سے زمین و آسمان پناہ مانگتے تھے۔ ایسے گھناؤنے جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کے

لیے کوئی معافی نہیں تھی، لیکن ان سترہ افراد سے اکثر نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگی تو رحمۃ اللعالمین ﷺ کے صدقے آپ ﷺ نے انہیں معاف کر دیا۔

عبداللہ بن ابی سرح مسلمان تھا اور وحی کی کتابت پر مامور تھا لیکن اس نے مسلمانوں سے غداری کی اور مشرکین میں نہ صرف شامل ہو گیا بلکہ برملا یہ خرافات بکنے لگا:

''وحی کی کتابت کے وقت میں اس میں ردو بدل کر دیا کرتا تھا۔

اس لیے محمد (ﷺ) پر جو کلام نازل ہوا وہ میں نے تبدیل کر دیا۔''

لیکن یہ شخص فتح مکہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عفو خواہ ہوا تو آپ ﷺ نے اسے معاف کر دیا اور امان بخشی۔ عکرمہ بن ابوجہل کے ظلم وستم سے کون واقف نہیں۔ اس نے تو فتح مکہ والے دن بھی مسلمانوں سے لڑنے سے گریز نہیں کیا تھا۔ اس کی بیوی ام حکیم بنت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہا مسلمان ہو چکی تھی۔ اس نے نبی کریم ﷺ سے اپنے شوہر کے لیے معافی اور امان کی درخواست کی جو آپ ﷺ نے منظور فرمائی۔ عکرمہ مفرور ہونے کے لیے روپوش ہو گیا تھا، لیکن اس کی بیوی نے اسے تلاش کر لیا اور واپس نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لائی۔ آپ ﷺ نے اسے معاف کر دیا۔ عکرمہ اس قدر متاثر ہوا کہ خود ایمان لے آیا۔ شاتم رسول عبداللہ بن اخطل اور اس کی دو لونڈیاں آپ ﷺ کی ہجو میں اشعار گایا کرتی تھیں۔ ان کے تہہ تیغ کا حکم دیا گیا۔ لیکن ان میں بھی ایک لونڈی نے معافی مانگ کر امان حاصل کر لی۔

حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے والد محترم فتح مکہ تک مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ لشکر اسلام کو دیکھ کر جبل قیس پر چڑھ گئے تھے۔ انہیں حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لائے تو نبی کریم ﷺ نے انہیں دیکھا تو حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"اے ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ)، ان کو کیوں تکلیف دی۔ مجھے بتادیا ہوتا میں ان مرد بزرگ کے پاس خود چل کر جاتا۔"

حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

"اے محسن انسانیت و کائنات ﷺ! آپ ﷺ کے چل کر جانے سے ان کا چل کر آنا زیادہ مناسب ہے۔"

نبی کریم ﷺ نے پدر صدیق رضی اللہ عنہ کے سینے پر ہاتھ پھیرا اور پھر انہیں مسلمان کر دیا۔ آپ ﷺ کی شفقت و محبت کا یہ عالم تھا کہ جانی دشمن بھی آپ ﷺ کے والہ و شیدا بن گئے۔

ہندہ سے بڑا اور کون دشمن اسلام ہوگا، جس نے عم رسول ﷺ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا انتہائی بے دردی سے کلیجہ چبایا تھا اسے بھی معاف کر دیا۔ اسی طرح حویرث نامی ایک شخص جس نے لوگوں کو آپ ﷺ کی دختر نیک اختر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ایذا رسانی پر آمادہ کیا تھا وہ مفرور ہوا اور مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ اس کے علاوہ چار اشخاص اور تھے جو مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہوئے انہیں تہہ تیغ کر دیا گیا تھا۔

فتح مکہ سے اگلے روز کی بات ہے بنی خزاعہ نے بنی ہذیل کے ایک مشرک پر قابو پا کر اسے قتل کر دیا۔ آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا اور لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"اے لوگو! جس روز خدا نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کی اسی روز اس نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا اور قیامت تک اس کی یہی حیثیت رہے گی۔ کسی شخص کے لیے جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو یہ جائز نہیں کہ وہ اس میں خونریزی کرے اور کسی درخت کو کاٹے۔ یہ عمل مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں ہوا تھا، اور نہ

میرے بعد کسی کے لیے حلال ہوگا۔ میرے لیے صرف اسی وقت
یہاں کے لوگوں پر اللہ کے غضب کے سبب حلال ہوا ہے۔ اس
کے بعد پھر اس کی حرمت بدستور برقرار رہے گی۔"

آپ ﷺ نے مزید فرمایا:

"اور تم میں سے جو حاضر ہیں وہ غیر حاضر لوگوں تک یہ بات پہنچا
دیں، جو شخص تم سے کہے کہ اللہ کے رسول (ﷺ) نے مکہ میں
جنگ کی ہے اس سے کہہ دو کہ اللہ نے اسے اپنے رسول ﷺ
کے لیے حلال کر دیا تھا، لیکن اے بنی خزاعہ! تمہارے لیے حلال
نہیں۔ اس لیے خون ریزی سے دستبردار ہو جاؤ۔ اگرچہ یہ سود مند
ہے لیکن اب اس کی ضرورت نہیں۔ تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا
ہے جس کا خون بہا میں ادا کیے دیتا ہوں۔ میرے اس اعلان
کے بعد جو شخص مقتول ہوا اس کے وارث دو باتوں میں سے
ایک اختیار کر سکتے ہیں وہ چاہیں تو قاتل کو قتل کر دیں یا خوں بہا
قبول کر لیں۔"

بعد ازاں آپ ﷺ نے اس مقتول کا خون بہا ادا کر دیا۔ یہ سلوک اور رد یہ
عفو عام کے اعلان سے بھی زیادہ محبت کا حامل تھا۔ جس نے اہلِ مکہ کے دل موہ لیے
اور لوگ خود بخود اسلام کی طرف مائل ہو کر جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔

اہلِ مکہ کے ساتھ محبت و مروت کا سلوک دیکھ کر انصارِ مدینہ کو گمان ہوا کہ نبی
کریم ﷺ اب مدینہ کی بجائے مکہ (اپنے وطن مالوف) میں ہی قیام فرمائیں گے۔
نبی کریم ﷺ اس وقت کوہِ صفا پر دعا فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ کو انصار کے دل کی
کیفیت معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"اے انصارِ مدینہ، تمہارے دل میں جو خدشہ پیدا ہوا ہے وہ بے
بنیاد ہے۔ میری زندگی اور موت تمہارے ساتھ ہوگی تم لوگ مصیبت
کے دنوں میں ہمراہ رہے تو خوشی و اطمینان کے دنوں میں تم لوگ
کیسے جدا رہ سکو گے۔"

آپ ﷺ کی اس بات سے اہلِ مدینہ مطمئن ہو گئے۔

نبی کریم ﷺ نے مکہ میں تقریباً پندرہ روز تک قیام فرمایا۔ اس دوران آپ ﷺ نے اہلِ مکہ کو دینی تعلیم سے آراستہ کیا، مکہ کے قرب و جوار میں مبلغین بھیجے۔ مکہ کے داخلی و انتظامی حالات کو درست کیا اور ایک فاتح کی حیثیت سے آپ ﷺ نے تاریخ کے اوراق میں یہ بات رقم کر دی کہ فاتح کی فتوحات صرف خدا کی رضا کے لیے ہوتی ہیں، اور اصل حکومت صرف خدا کی ہوتی ہے۔ رسول (ﷺ) تو نیابت الٰہی کے فرائض انجام دیتا ہے۔

حجۃ الوداع کے لیے سفرِ مبارک

اس سفر کو "سفر حجۃ الوداع" بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس کے بعد کوئی حج نہیں کیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ نبی کریم ﷺ کا آخری دنیاوی سفر مبارک بھی تھا۔

حج فرض ہونے کے بعد یہ رسول اللہ ﷺ کا حج کے لیے پہلا سفر مبارک تھا۔

ہجرت کے دسویں سال ذی قعدہ کے مہینے میں رسول اللہ ﷺ نے خود حج کی ادائیگی کا ارادہ فرمایا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے خود حج کرنے کا ارادہ پختہ فرمالیا تو ان قبائل کی طرف قاصدوں کو روانہ فرمایا جو اسلام قبول کر چکے تھے کہ حج کے لیے ارادہ پختہ ہو گیا ہے۔ اس لیے جو شخص حج ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ وہ آ کر ساتھ مل جائے۔ جب یہ خبر اطراف و اکناف میں پھیل گئی تو بے شمار مسلمان اطراف و جوانب سے مدینہ منورہ کی طرف آنا شروع ہو گئے تا کہ ابتداء سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہ کر مناسک حج کی تعلیم حاصل کریں۔

جب تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمع ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ ۲۵ ذی قعدہ دوشنبہ کے دن اور ایک روایت کے مطابق شنبہ کے دن، اور ایک اور روایت کے مطابق ۲۶ ذیقعدہ کو ہفتہ کے دن مدینہ منورہ سے باہر نکلے اور سفر حج کا ارادہ فرمایا۔ روایات میں آتا ہے کہ اس مبارک سفر پر جانے سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے غسل پاک فرمایا۔ موئے مبارک میں تیل ڈالا۔ سر اقدس پر کنگھی فرمائی، جسم اطہر کو پاکیزہ فرما کر

احرام کے کپڑوں میں عطر لگایا اور حجرہ مبارک سے باہر تشریف لائے۔ ظہر کی نماز مدینہ منورہ میں ادا فرمائی اور ذوالحلیفہ کے لیے روانہ ہوئے۔ اس جگہ پر قیام فرمایا۔ یہ مقام اہل مدینہ کے لیے میقات ہے اور تقریباً چھ سات میل کے فاصلے پر ہے۔ اس مقام پر رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز قصر کر کے ادا فرمائی۔ پھر قربانی کے خاص چند اونٹ آپ ﷺ کے لیے ساتھ لیے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہدی کے اونٹوں کی حفاظت کے لیے حضرت ناجیہ بن جندب اسلمی رضی اللہ عنہ کو متعین فرمایا۔ حضرت ناجیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مکہ میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا:

"اگر ان اونٹوں میں سے کوئی اونٹ ہلاک ہو جائے تو میں کروں؟"

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"نحر کرو اور اس کے قلادہ کو خون آلودہ کر کے اس کی کوہان پر مار تجھے اور تیرے ساتھیوں کو اس گوشت میں سے کچھ نہیں کھانا چاہیے۔"

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ حضرت ناجیہ رضی اللہ عنہ کو اجازت مرحمت فرمائی کہ اگر عاجز آ جائے اور پیدل نہ چل سکے تو قربانی کے اونٹوں پر سوار ہو جائے۔

اس سفر مبارک میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور تمام امہات المومنین رضی اللہ عنہن نے ہودجوں میں تشریف فرما کر رسول اللہ ﷺ کی مصاحبت کا شرف حاصل کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بے حساب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمع تھے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمراہ تھے جب کہ ایک اور روایت کے مطابق تعداد نوے ہزار تھی، اور ایک اور قوی روایت کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے ذوالحلیفہ کے مقام پر نماز کی ادائیگی کے بعد احرام باندھ کر لبیک فرمائی۔ اس کے بعد اپنے ناقہ پر جس کا نام قصویٰ تھا' سوار ہوئے۔ جب

ناقہ اٹھی تو پھر لبیک فرمائی:

ترجمہ: ''ہم حاضر ہیں' ہم حاضر ہیں' اے اللہ' تیرے سامنے حاضر ہیں' تیرا کوئی شریک نہیں' ہم حاضر ہیں' ہر تعریف صرف تیرے لیے ہے' اور ہر نعمت تیری ہے' سلطنت بھی تیری ہے' تیرا کوئی شریک نہیں۔''

راوی بیان فرماتے ہیں کہ میں نے آگے پیچھے اور دائیں بائیں دیکھا' جہاں تک نگاہ جاتی تھی انسانوں کا ہی جنگل نظر آتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی زبان اطہر سے لبیک کی صدا بلند ہوتی تو ہر طرف سے اس کی بازگشت سے ارد گرد کے میدان اور پہاڑ گونج اٹھے۔ رسول اللہ ﷺ بلند آواز سے تلبیہ فرماتے تھے' یہاں تک کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سن لیتے تھے اور حکم فرمایا کہ بلند آواز سے تلبیہ کہو کیونکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے ہیں اور وہ کہہ رہے ہیں کہ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے احرام میں بلند آوازی سے تلبیہ کہنے کا حکم فرمائیں۔

سفر کی منازل طے کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ ذی طویٰ کے مقام پر پہنچے اور فجر کی نماز اس مقام پر ادا فرمائی۔ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں:

''میرے والد محترم نے مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ وہ اونٹ جس پر زادِ راہ لادتے ہیں' میرے پاس ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ ﷺ کا توشہ مبارک اس پر لاد دوں۔''

رسول اللہ ﷺ نے اس درخواست کو قبول فرمایا اور ارشاد فرمایا:

''آٹا' ستو اور کھجور زادِ راہ کے لیے ترتیب دے کر اونٹ پر لادا جائے۔''

چنانچہ اسی طرح ہوا اور حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک غلام کو اس پر سوار کیا۔ اس سفر کے دوران ایک رات غلام نے اتر کر اونٹ کو بٹھا دیا اور سو گیا۔

جب بیدار ہوا تو اسے اونٹ دکھائی نہ دیا۔ غلام پکارتا ہوا اپنے گمشدہ اونٹ کو تلاش کرتا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ منزل جرح پر اترے ہوئے تھے اور ظہر کی نماز کا وقت تھا' حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ اپنے غلام کے پہنچنے کا شدت سے انتظار فرما رہے تھے۔ جب وہ غلام پہنچا تو اس کے ساتھ اونٹ نہیں تھا۔ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے اس سے دریافت فرمایا:

"اونٹ کہاں ہے؟"

اس نے کہا:

"وہ مجھ سے گم ہو گیا ہے۔"

اس پر حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ اٹھے اور تادیب کے طور پر اسے مارنے لگے۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے تبسم فرمایا اور ارشاد فرمایا:

"محرم کو دیکھو کیا کر رہا ہے۔"

روایات میں آتا ہے کہ بنی سالم سے آل فضلہ کو جب خبر ملی کہ رسول اللہ ﷺ کا اونٹ گم ہو گیا ہے تو کھجوروں' پنیر اور روغن کا ایک پیالہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے لیے بھیجا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ)! آؤ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے پاکیزہ غذا بھیج دی ہے۔"

حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ غلام کی شکایت کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ)' اطمینان کرو' یہ معاملہ ہمارے اور غلام کے ہاتھ میں نہیں اور اس میں اس کا کوئی قصور نہیں۔"

چنانچہ رسول اللہ ﷺ' آپ ﷺ کے اہل خانہ اور حضرت ابوبکر الصدیق

رضی اللہ عنہ نے اس میں تناول فرمایا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادہ حضرت قیس رضی اللہ عنہ وہ اونٹ جس پر ان کا زادِ راہ لدا ہوا تھا' اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں لائے اور عرض کیا:

''یارسول اللہ ﷺ' ہم نے سنا ہے کہ آپ ﷺ کا اونٹ گم ہو گیا ہے۔ اس کے بدلے میں اسے قبول فرمائیں۔''

اسی دوران حضرت صفوان معقل اسلمی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے گمشدہ اونٹ کو تلاش کر کے لے آئے اور اس کو بٹھا کر حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے کہا:

''دیکھ لیں' اس اونٹ پر جو سامان لدا ہوا تھا' ضائع نہیں ہوا؟''

انہوں نے دیکھا تو فرمایا کہ تمام ٹھیک ہے صرف ایک پیالہ جس سے ہم پانی پیتے تھے وہ موجود نہیں ہے۔ غلام نے کہا کہ وہ پیالہ میرے پاس ہے۔ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے ہمارے اونٹ کو صحیح و سلامت ہم تک پہنچا دیا ہے' تم اپنے اونٹ کو اپنی ضروریات میں خرچ کرو۔''

پھر آپ ﷺ نے اس کے لیے خیر و برکت کی دعا فرمائی۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا:

''یارسول اللہ ﷺ' ہمارے جن اموال میں آپ ﷺ تصرف فرماتے ہیں' ہمارے نزدیک وہ اس مال سے جو ہمارے پاس باقی ہے' زیادہ محبوب ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تم نے سچ کہا ہے' تجھے بشارت ہو کہ تو کامیابی اور فیروزمندی کو

پہنچا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے عمدہ اخلاق اور اچھی صفات یعنی کرم و مروت تجھے عطا فرمائی ہے۔"

اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

رسول اللہ ﷺ ذی طوی سے روانہ ہو کر مقام سرف میں پہنچے یہاں سے مکہ مکرمہ صرف چھ سات میل کے فاصلے پر رہ گیا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا مکان تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں:

"رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھ قربانی کے جانور بھی لے گئے تھے اسی طرح اور بھی اشراف قربانی کے جانور ساتھ لے گئے تھے۔

جب مقام سرف میں پہنچے تو آپ ﷺ نے حکم فرمایا:

"جو لوگ قربانی کے جانور نہیں لائے وہ عمرہ کر کے احرام کھول دیں۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"اسی دن میں ایام سے ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو میں رو رہی تھی۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

"اے عائشہ رضی اللہ عنہا! شاید تم ایام سے ہو گئیں؟"

میں نے عرض کیا:

"جی ہاں، کاش میں اس سال سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ نہ آتی۔"

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"یہ بات ہر گز نہ کہو یہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی بیٹیوں کے لیے لکھا ہوا ہے۔ تم تمام وہ مناسک ادا کر سکتی ہو جو حاجی ادا کرتے ہیں لیکن بیت اللہ کا طواف نہ کرنا اس بناء پر کہ وہ مسجد میں ہے اور حائضہ کو مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے۔"

جب رسول اللہ ﷺ باب بنی شیبہ پر پہنچے، جسے باب اسلام بھی کہا جاتا ہے، تو خانہ کعبہ کو دیکھتے ہی دعا پڑی۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ مسجد الحرام میں تشریف لائے اور سیدھے خانہ کعبہ کی طرف روانہ ہوئے۔ خانہ کعبہ کا طواف کیا' حجر اسود کو استلام کیا اور اسے بوسہ دیا۔ رسول اللہ ﷺ طواف اول میں پہلی تین مرتبہ تیزی سے چلے اور آخر میں سکون اور آرام سے گئے۔ اس وقت ردائے مبارک کو داہنی بغل پاک سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈالا۔ ہر مرتبہ جب حجر اسود کے مقابل ہوتے تو اپنی لکڑی سے اشارہ فرماتے جو آپ ﷺ کے دست مبارک میں تھی، اور اس لکڑی کو بوسہ دیتے۔ ہر دو رکن یمانی و حجر اسود کے درمیان یہ دعا فرماتے:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾

خانہ کعبہ کے طواف سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ مقام ابراہیم کی طرف متوجہ ہوئے اور اس مقام پر آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ پڑھی:

ترجمہ: "مقام ابراہیم کو سجدہ گاہ بناؤ۔"

اس مقام پر رسول اللہ ﷺ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی اور مقام ابراہیم کو اپنے اور خانہ کعبہ کے درمیان رکھا۔ آپ ﷺ نے پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد قل یاایھا الکفرون اور دوسری رکعت میں سورہ اخلاص پڑھی۔ رسول اللہ ﷺ جب نماز کی ادائیگی فرما چکے تو پھر حجر اسود کے قریب آئے اور اسے استلام کیا، اور باب الصفا سے باہر نکلے اور کوہ صفا کی طرف روانہ ہوئے۔ جب کوہ صفا کے نزدیک پہنچے تشریف لائے تو یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی:

ترجمہ: "بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔" (البقرہ:۱۵۸)

اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"میں اس چیز سے ابتدا کرتا ہوں جس طرح اللہ نے بیان فرمایا ہے۔"

آپ ﷺ نے کوہ صفا اور مروہ کے درمیان سات مرتبہ سعی فرمائی۔ جب صفا پر آئے تو قبلہ کی جانب رخ انور فرمایا اور خانہ کعبہ کو دیکھ کر فرمایا:

ترجمہ: "اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ سلطنت اسی کی ہے اور حمد بھی اسی کے لیے زیبا ہے۔ وہی جلاتا ہے اور مارتا ہے اور سب چیزوں پر قدرت رکھتا ہے' اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ ایک ہے۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اس نے اپنے بندہ کی مدد فرمائی اور اکیلے تمام گروہوں کو شکست دے دی۔"

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی اور تین مرتبہ اس طریق پر دعا فرمائی۔ جب سعی سے فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا:

"جس شخص کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں ہیں وہ احرام ترک کر دے اور حلال ہو جائے۔"

جب بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نکلنا گراں گزرا تو فرمایا:

"اگر میرے ساتھ ہدی نہ ہوتی تو میں بھی حلال ہو جاتا۔"

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور بعض امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے ساتھ ہدی نہیں تھیں اس لیے حلال ہو گئیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

"جب رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو جن لوگوں کے پاس قربانی کے جانور نہیں تھے انہوں نے عمرہ ادا کر کے احرام کھول دیے۔ پھر جب قربانی کا دن آیا یعنی ذی الحجہ کی دسویں

تاریخ تو میرے لیے گائے کا بہت سا گوشت آیا۔ میں نے کہا:

''یہ کیا ہے؟''

لوگوں نے بتایا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرف سے گائے کی قربانی کی ہے۔''

روایات میں آتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو حکم دیا کہ وہ عمرہ ادا کر کے احرام کھول دیں تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے کہا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' ہمارے ساتھ احرام کھولنے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کون سا امر مانع ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میں قربانی کے جانور ساتھ لایا ہوں۔ اس لیے میں اس وقت تک احرام نہ کھولوں گا جب تک کہ قربانی نہ کرلوں۔''

ایک روایت میں یہ بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نجران کی طرف بھیجا تھا۔ پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مکہ مکرمہ میں اس حالت میں حاضر ہوئے کہ احرام باندھے ہوئے تھے، اور چند اونٹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہدی کی نیت سے ان کے ساتھ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا:

''جب تم نے احرام باندھا تھا تو کیا نیت کی تھی؟''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا نہیں تھا کہ میں کیا نیت کروں' چنانچہ جس وقت میں نے احرام باندھا تھا۔ اس وقت نیت کرتے ہوئے کہا تھا کہ یا اللہ' میں وہ احرام باندھتا ہوں' جو

تیرے نبی ﷺ اور تیرے بندے اور تیرے رسول محمد ﷺ
نے باندھا ہے۔"

اس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اے علی (رضی اللہ عنہ) میں نے حج کا احرام باندھا ہے اور قربانی کے
جانور اپنے ساتھ لایا ہوں، تو اپنے احرام پر ثابت قدم رہ اور ہدی
میں میرا شریک ہو۔"

جب مکہ مکرمہ میں تشریف لائے تو رسول اللہ ﷺ کو اتوار سے بدھ تک چار روز گزر گئے تو جمعرات کے دن سورج کے بلند ہونے کے بعد چاشت کے وقت منیٰ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب منیٰ میں پہنچے تو توقف فرما کر نماز ظہر و عصر ادا فرمائی اور رات وہیں گزاری۔ دوسرے دن سورج طلوع ہونے کے بعد منیٰ سے عرفات کی طرف تشریف لے گئے۔ عرفات کے قریب ایک مقام نمرہ پر پہنچے۔ اس جگہ آپ ﷺ کے حکم سے ایک خیمہ لگایا گیا۔ آپ ﷺ نے اس خیمہ میں نزول فرمایا۔ نمرہ کے مقام پر رسول اللہ ﷺ اپنی سواری قصویٰ پر سوار ہوئے اور بطن وادی میں تشریف لائے، اور اسی حالت میں نہایت فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ اپنے خطبہ میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"لوگو! تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں قیامت
تک کے لیے اسی عزت و حرمت کی مستحق ہیں جس طرح تم آج
کے دن اس مہینہ اور اس شہر کی حرمت کرتے ہو۔ تمہیں معلوم ہونا
چاہئے اور آگاہ ہو جاؤ کہ جاہلیت کے طور طریقے میرے قدموں
کے نیچے ہیں اور ہر وہ خون جو اسلام سے پہلے ہوا اور اس کے
وارث بدلے کے درپے ہیں وہ ختم اور باطل ہے، اور سب سے
پہلے میں اپنے خاندان میں سے ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا

خون باطل کرتا ہوں جو کہ میرے باپ کے بھائی کا بیٹا ہے۔ میں جاہلیت کے تمام سود باطل قرار دیتا ہوں اور سب سے پہلے اپنے خاندان میں سے عباس بن عبدالمطلب کا سود ختم کرتا ہوں۔ اپنے غلاموں کا خیال رکھو' جو خود کھاؤ وہی انہیں کھلاؤ' جو خود پہنو وہی انہیں پہناؤ' عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو' جس طرح تمہارے حق عورتوں پر ہیں اسی طرح عورتوں کے حق تم پر ہیں۔"

"اے لوگو! میں تم میں وہ چیز چھوڑے جا رہا ہوں جسے مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ یہ اللہ کی کتاب ہے۔ نہ میرے بعد کوئی اور پیغمبر ہے اور نہ کوئی نئی امت وجود میں آنے والی ہے۔ خوب سن لو' اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ پنجگانہ نماز کے پابند رہو۔ ماہ رمضان کے روزے رکھو' مال کی زکوٰۃ خوشدلی سے دیا کرو۔ خانہ خدا کا حج بجا لاؤ۔ اپنے اولیائے امور کی اطاعت کرو۔ ان اعمال کی جزا یہ ہے کہ اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔"

خطبہ کے اختتام پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"قیامت کے دن تم سے میرے بارے میں سوال ہو گا کہ محمد (ﷺ) نے تمہارے ساتھ کس طرح گزر بسر کی اور تبلیغ رسالت اور احکام شریعت کو کس طرح پہنچایا تو تم کیا جواب دو گے؟"

لوگوں نے عرض کیا:

"ہم اس روز گواہی دیں گے کہ آپ ﷺ نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کر دیا۔"

جب رسول اللہ ﷺ نے یہ بات سنی تو اپنی انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھائی اور تین مرتبہ فرمایا:

"اے اللہ تو گواہ رہنا۔"

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

"جو اس وقت موجود ہیں وہ انہیں سنا دیں جو اس وقت موجود نہیں ہیں۔"

پھر فرمایا:

"اے مسلمانو! تین چیزیں سینوں کو کینوں سے پاک کرتی ہیں۔ ایک عمل میں اخلاص، دوسرے مسلمان کی خیر خواہی، تیسرے مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنا۔"

جب رسول اللہ ﷺ نے تمام خطبہ بیان فرما دیا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کے لیے حکم فرمایا۔ چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان اقامت کہہ کر ظہر کی نماز باجماعت ادا کی پھر اقامت کہی اور عصر نماز جماعت سے ادا فرمائی۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اپنی سواری پر سوار ہوئے اور دامن کوہ عرفات میں جسے جبل رحمت کہتے ہیں، تشریف لائے۔ اس کے نزدیک ہی کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ نے قبلہ رو ہو کر دعا مانگی اور اس جگہ پر اس قدر ٹھہرے کہ سورج غروب ہو گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

"جب رسول اللہ ﷺ اس مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے تو میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے دست مبارک اٹھائے ہوئے تھے، اور ان کو اپنے چہرے اقدس کے نزدیک لائے ہوئے تھے اور فرماتے تھے۔ سب سے افضل دعا جو میرے اور مجھ سے پہلے تمام

انبیاء کرام علیہم السلام کے نزدیک اس دن پڑھنے کے بارے میں ہے
وہ یہ ہے:

لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ، لہ الملک ولہ
الحمد وھو علیٰ کل شیءٍ قدیر۔

عرفہ کے دن قرآن پاک کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ
نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط

ترجمہ: "آج میں نے مکمل کر دیا ہے تمہارے لیے تمہارا دین اور پوری کر دی ہے تم پر اپنی نعمت اور میں نے پسند کر لیا ہے تمہارے لیے اسلام کو بطور دین۔" (سورہ المائدہ، آیت: ۳)

روایات میں آتا ہے کہ اس دن عرفات میں رسول اللہ ﷺ اس قدر ٹھہرے کہ سورج مکمل طور پر غروب ہو گیا، اور اس کے بعد جب آپ ﷺ نے روانگی فرمائی تو حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اپنا ردیف بنایا اور قصویٰ کی مہار اس طرح کھینچے ہوئے تھے کہ اونٹنی کا سر اس تکیہ تک پہنچتا تھا جو رسول اللہ ﷺ کے کجاوہ کے آگے رکھا ہوا تھا اور جب بلندی پر پہنچتے تو نکیل کو ڈھیلا چھوڑ دیتے تاکہ آسانی کے ساتھ چڑھ سکے۔ پھر فرمایا:

"اے لوگو! آرام سے چلو، اطمینان سے رہو، تیز چلنے میں نیکی نہیں ہے اور عجلت میں پرہیزگاری نہیں ہے۔"

راستے میں ایک گھاٹی کے نزدیک سواری سے اتر کر وضو فرمایا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ ﷺ، کیا مغرب کی نماز ادا فرمانے کا ارادہ ہے؟"

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"نماز آگے ہے' یعنی مزدلفہ میں عشاء کی نماز کے ساتھ ادا کریں گے۔"

اس کے بعد آپ ﷺ سوار ہوئے۔ جب مزدلفہ پہنچے تو مغرب اور عشاء کی نماز ایک اذان اور دو تکبیروں کے ساتھ ادا فرمائی۔ رات کو مزدلفہ میں قیام فرمایا پھر فجر کی نماز اول وقت میں ادا فرمائی اور سواری پر سوار ہو کر مشعر حرام میں تشریف لائے۔ اس جگہ قبلہ رو کھڑے ہو کر تکبیر و تحلیل اور حمد و ثناء میں مشغول ہوئے، اور اس قدر توقف فرمایا کہ اچھی طرح روشنی ہوگئی۔ طلوع آفتاب کے بعد رسول اللہ ﷺ اس جگہ سے روانہ ہوئے۔ روایات میں آتا ہے کہ عید کی رات آخری دن عرفہ میں امت مسلمہ کے لیے دعا کر کے بخشش طلب فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب آیا کہ میں نے ان کے تمام گناہوں کو بخش دیا سوائے ظالموں کے کیونکہ میں مظلوم کا انصاف ظالم سے لوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے زاری کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی:

"یا اللہ! اگر تو چاہتا ہے کہ مظلوم کو جنت ظالم کے ظلم کے بدلہ میں دے تو مظلوم راضی ہو جائے گا اور ظالم کو بخش دے۔"

اس دفعہ اس دعا کا جواب نہیں آیا۔ جب مزدلفہ میں اس دعا کو دوبارہ مانگا گیا تو جواب آیا کہ میں نے اس دعا کو بھی قبول فرمایا:

رسول اللہ ﷺ انتہائی خوش ہوئے اور تبسم فرمایا۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ ﷺ' ہمارے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں' اس تبسم فرمانے کا سبب کیا ہے؟"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"شیطان لعین کو جب یہ معلوم ہوا کہ میری دعا کو میری امت کے حق میں قبول فرما لیا گیا ہے اور ان کو بخش دیا گیا ہے تو اس بدبخت

لعین نے اپنے سر پر خاک ڈالنا شروع کر دی اور چیخ و پکار اور واویلا کرنے لگا۔ اس کی اس حالت کو دیکھ کر میں مسکرا دیا۔"

رسول اللہ ﷺ طلوع آفتاب کے قریب منیٰ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس مرتبہ آپ ﷺ نے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کو اپنا ردیف بنایا اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ پیدل روانہ ہوئے۔ اثنائے راہ میں آپ ﷺ نے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"رمی کے لیے کنکریاں چن لو جو چنے سے بڑی اور بادام سے چھوٹی ہوں۔"

حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ نے سات کنکریاں زمین سے چن کر رسول اللہ ﷺ کو دے دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی مبارک ہتھیلیوں سے ان کنکریوں سے غبار صاف کیا۔ اثنائے راہ میں ایک خوبصورت عورت سامنے آئی اور اس نے سوال کیا:

"یارسول اللہ ﷺ! میرا باپ بہت بوڑھا ہے وہ اونٹ کی پیٹھ پر نہیں بیٹھ سکتا۔ کیا میں اس کی طرف سے حج کر لوں؟"

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ہاں۔"

ابھی تھوڑا سا سفر طے کیا تھا کہ راستے میں ایک بوڑھی عورت سامنے آئی اور اس نے عرض کیا:

"یارسول اللہ ﷺ میری ماں بہت کمزور ہے اور لاچار ہو گئی ہے۔ اگر اسے اونٹ پر باندھوں تو اس کے مرنے کا ڈر ہے۔ کیا میں اس کے بدلے میں حج ادا کر سکتی ہوں۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"اگر تیری ماں پر قرض ہوتا تو کیا تو اس کا قرضہ اتارتی؟"

اس نے عرض کیا:

"یارسول اللہ ﷺ میں ضرور اتارتی۔"

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"پھر تم اپنی ماں کی طرف سے حج ادا کرو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا قرض ہے اور اس کا ادا کرنا اولیٰ ہے۔"

رسول اللہ ﷺ جب بطن محشر میں پہنچے تو اپنی سواری کو تھوڑا سا تیز چلایا اور راستہ قریب جاتا تھا تیزی سے اس سے روانہ ہوئے۔ اس طرح منیٰ کے اسفل وادی میں چاشت کے وقت تشریف لائے اور جمرۃ العقبہ کے سامنے پہنچے اور وادی کے درمیان کھڑے ہوئے اور سات کنکریاں پھینکیں۔ ہر کنکری کے پھینکتے وقت تکبیر کہی۔ اس روز منیٰ میں خطبہ پڑھا جو عرفہ کے دن کے خطبہ کی مانند خون، مال اور عزت کی حرمت پر مشتمل تھا، اور دجال کے نکلنے اور اس کی ہیئت اور دیگر پند و نصائح پر مشتمل تھا۔ اس کے بعد فرمایا:

"تم پر لازم ہے کہ ان احکام کو حاضر غائب کو پہنچا دے۔"

پھر ارشاد فرمایا:

"لوگو! آؤ حج کے مناسک سیکھ لو۔ ہوسکتا ہے کہ آئندہ سال میں حج کو نہ آؤں۔"

اس کے بعد آپ ﷺ قربان گاہ کی طرف تشریف لے گئے۔ یہ مقام منیٰ کے بازار کے درمیان واقع ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے قربانی کے اونٹ اور وہ اونٹ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ لے کر آئے تھے، ان کی تعداد سو کے قریب پہنچتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے اپنی عمر مبارک کے سالوں کی تعداد کے مطابق تریسٹھ اونٹ اپنے دست مبارک سے ذبح فرمائے۔ باقی اونٹ ذبح کرنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو

حکم فرمایا کہ وہ قربانی کریں اور ان کو ہدیٰ میں شریک فرمایا۔ پھر حکم فرمایا کہ ہر ایک اونٹ سے تھوڑا تھوڑا گوشت لے کر دیگ میں ڈال کر پکائیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے گوشت اور اس کے شوربے کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تناول فرمایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ ان اونٹوں کی کھالوں اور گوشت کو مساکین اور غرباء میں تقسیم کریں اور قصابوں کو اس میں سے کچھ نہ دیں اور ان کی اجرت اپنے پاس سے ادا کریں۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے حلاق کو طلب فرمایا۔ حضرت معمر بن عبداللہ قرشی رضی اللہ عنہ استرا ہاتھ میں پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کے سر اقدس کے نزدیک کھڑے ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کی طرف نظر فرمائی اور ارشاد فرمایا:

''اے معمر (رضی اللہ عنہ) اللہ تعالیٰ نے تمہیں رسول اللہ ﷺ کے نرمہ گوش پر قادر بنایا حالانکہ تمہارے ہاتھ میں استرا ہے۔''

اس پر حضرت معمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''یارسول اللہ ﷺ میرا یہاں کھڑا ہونا اور اس مقام کی قدرت حاصل کرنا یقیناً مجھ پر اللہ کی نعمت ہے، اور مجھ پر اللہ تعالیٰ کا احسان و کرم ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تم ٹھیک کہتے ہو۔ یہ اس کی عظیم نعمتوں میں سے ہے۔''

اس کے بعد جب موئے مبارک تراشے گئے تو آپ ﷺ نے اپنے نصف موئے مبارک حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمائے جو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے شوہر اور وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے والد ہیں۔ دوسرے نصف موئے مبارک ازواج مطہرات اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم فرمائے۔ ہر ایک کو ایک یا دو بال مبارک ملے اور کہا جاتا ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے

درخواست کی کہ یارسول اللہ ﷺ' اپنی پیشانی مبارک کے موئے مبارک مجھے عنایت فرمائیں تاکہ میں ان سے برکت حاصل کروں۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کی درخواست کو قبول فرماتے ہوئے اپنی پیشانی اطہر کے موئے مبارک انہیں عطا فرمائے۔اس کے بعد جب احرام سے نکلے تو سوار ہو کر مکہ مکرمہ میں آئے اور ظہر کی نماز ادا فرمائی۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ زمزم کے کنویں پر تشریف لائے اور فرمایا:

"اے بنی عبدالمطلب' چاہِ زمزم کے پانی کو کھینچو' اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ لوگ تم پر ہجوم کریں گے تو میں تمہارے ساتھ پانی کھینچتا۔"

پھر پانی کا ایک ڈول رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے اس میں سے کچھ پانی نوش فرمایا اور باقی چاہ زمزم میں ڈال دیا گیا۔جب رسول اللہ ﷺ مناسک حج سے فارغ ہوئے تو کچھ دن اور قیام فرمایا پھر مدینہ منورہ کی طرف سفر کا آغاز فرمایا۔راستے کی مسافت طے کرتے ہوئے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع جحفہ کے نواح میں منزل غدیر خم میں پہنچے تو اس منزل میں ٹھہر کر نماز ظہر ادا فرمائی۔اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانب رخ انور کر کے ارشاد فرمایا:

"کیا میں مومنوں کے نفوس سے ان سے زیادہ قریب و محبوب نہیں ہوں۔"

ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"گویا مجھے عالم بقا میں بلایا ہے اور میں نے قبول کرلیا ہے' آگاہ ہو جاؤ کہ میں تم میں دو عظیم چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جو ایک دوسرے سے عظیم تر ہے۔ایک قرآن مجید اور دوسری میری اہل بیت۔دیکھو میرے بعد تم ان دونوں چیزوں میں احتیاط کرنا کہ

کس طرح تم ان کے ساتھ سلوک کرتے ہو اور کیسے ان کے حقوق ادا کرتے ہو۔ یہ دونوں چیزیں میرے بعد ایک دوسرے سے کبھی جدا نہ ہوں گی، یہاں تک کہ تم حوض کوثر کے کنارے مجھ سے ملو گے۔"

اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"یقیناً اللہ تعالیٰ میرا مولیٰ ہے اور میں تمام مومنین کا مولیٰ ہوں۔"

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا:

"اے اللہ! جس کا میں مولا ہوں یہ علی (رضی اللہ عنہ) بھی اس کے مولیٰ ہیں۔ اے اللہ! تو بھی اسے دوست رکھ جو ان کو دوست رکھے اور اس کو دشمن رکھ جو علی (رضی اللہ عنہ) کو دشمن رکھے۔"

حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت آپ ﷺ نے ایک رات ذوالحلیفہ میں قیام فرمایا اور پھر مدینہ منورہ کی طرف عازم سفر ہوئے۔

❀❀❀

کتابیات

- قسطلانی، مواہب لدنیہ
- ابن سعد
- ابن ہشام
- ابن جوزی
- سیرہ النبی ﷺ
- محمد رسول اللہ ﷺ
- مدارج النبوت
- جمالِ مصطفی ﷺ
- رسولِ اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی
- رحمتِ عالم ﷺ
- الوفا
- عہدِ رسالت مآب ﷺ
- تفہیم القرآن
- پیارے نبی ﷺ کا پیارا بچپن

❁	پیارے نبی ﷺ کا پیارا عہدِ شباب
❁	پیارے نبی ﷺ کے پیارے غزوات
❁	تاریخِ اسلام
❁	رحمۃ اللعالمین ﷺ
❁	محمد رسول اللہ ﷺ
❁	رسولِ رحمت ﷺ
❁	نبی آخر زماں ﷺ
❁	سیرتِ رسولِ عربی ﷺ
❁	محسن انسانیت ﷺ
❁	آفتابِ نبوت ﷺ
❁	حضرت محمد ﷺ